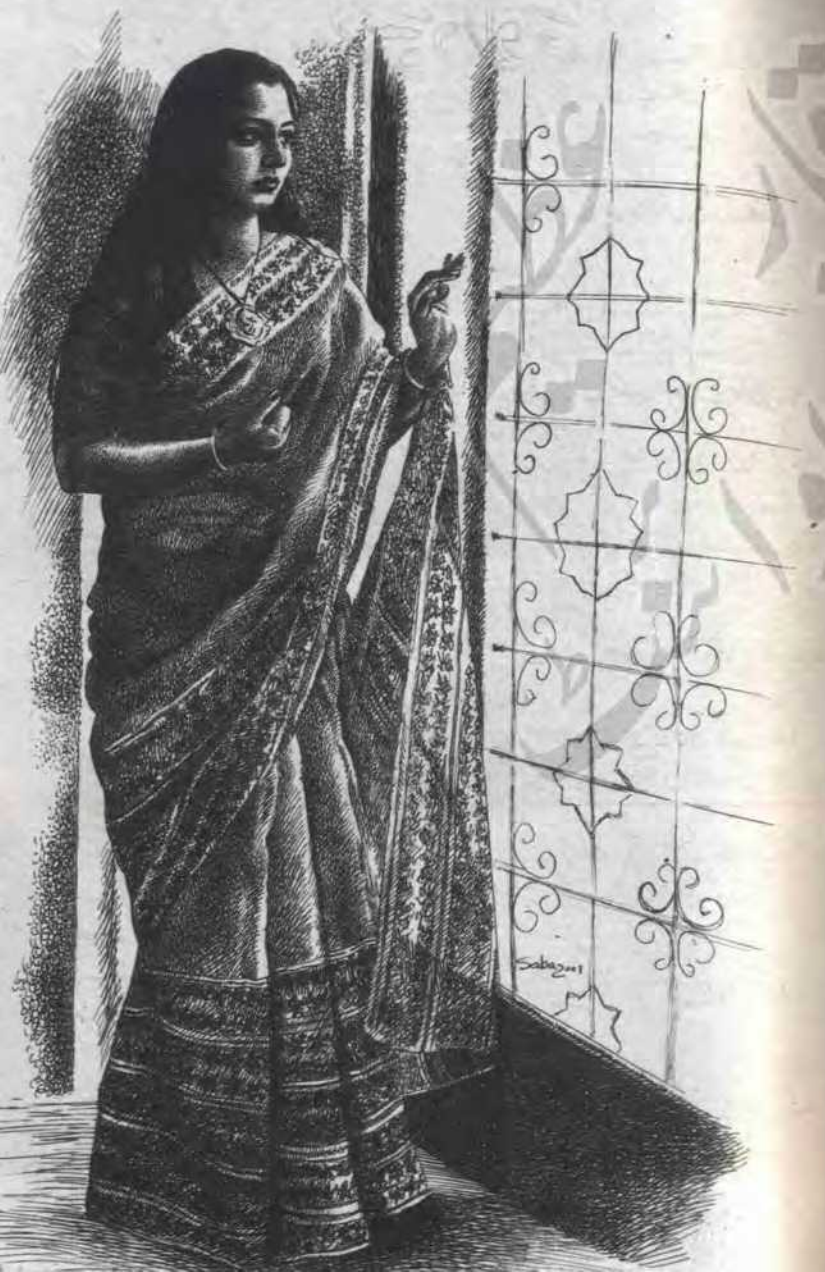

سحر ساجد

ابھی کچھ وقت باقی ہے

بارش اتنے زور سے برس رہی تھی کہ جیسے آج کے بعد پھر نہیں برسے گی۔ اسے بارش جتنی اچھی لگتی تھی، آج اتنی ہی بری لگ رہی تھی۔ آسمان سے برسنے والا پانی صرف زمین کو ہی نم نہیں کر رہا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں کو بھی نم کر رہا تھا لیکن زمین کی نمی اور آنکھوں کی نمی میں فرق ہوتا ہے، زمین جب نم ہوتی ہے تو اس کی پیاس بجھتی ہے اور آنکھیں۔۔۔

آنکھیں جب نم ہوتی ہیں تو پیاس بڑھتی ہے۔

اس نے سر جھکا کر انگلی کی پور سے آنکھوں کی نمی کو خشک کیا۔

آف وائٹ فراک اور جوڑی دار پاجامے میں وہ ٹیرس پہ اداس کھڑی تھی۔ اس کے کانوں ہاتھوں یا پھر جسم کے دوسرے حصے میں کسی زیور کا شائبہ تک نہ تھا ماسوائے ناک کی لونگ کے۔ وہ ڈائمنڈ کی لونگ اس کی ستواں ناک میں بہت جچ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی نئی شادی شدہ نہیں کہہ سکتا تھا۔

"ایک شادی شدہ آدمی سے دل لگانے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے زربی بی! اب بھگتو۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر خود کلامی کی۔

کھلے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹتے ہوئے وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

"زربی بی۔۔۔" اسے یسما گل کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

"کیا ہے یسما گل؟" ٹیرس پہ پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے بے حد بے زاری سے کہا۔

"خان جی۔۔۔!" اور وہ کرنٹ کھا کر کرسی سے اٹھی

کھڑی تھی۔ اس نے جھک کر ٹیرس سے نیچے دیکھا تھا۔

مجتبیٰ خان کی گاڑی بیرونی گیٹ عبور کر کے اب ڈرائیو وے پر حرکت کر رہی تھی۔

"مجتبیٰ...!" لبوں نے بے آواز جنبش کی۔ اداسی یوں چہرے سے غائب ہوئی تھی جیسے بارش کے بعد پتوں سے مٹی غائب ہوتی ہے۔

وہ الٹے پاؤں مڑی اور بھاگتی ہوئی نیچے اتری۔ بھاگتے ہوئے اس نے لمبا سا ہال عبور کیا تھا۔ مجتبیٰ نے دروازہ کھولا۔

"مجتبیٰ...!" اور وہ بھاگتے بھاگتے یکدم اس کے سامنے جا کر رکی تھی۔ بال کھل چکے تھے۔ جھٹکے سے رکنے کی وجہ سے کھلے بال آگے کو ہو کر پیچھے جا گرے تھے۔ مجتبیٰ نے وارفتگی سے اسے دیکھا۔

اس عورت سے بڑھ کر حسین بھلا کون ہو گا اور اس سے بڑھ کر زور آور بھی بھلا کون ہو گا کہ جس کے قدموں میں مجتبیٰ خان کا دل رکھا ہے اور وہ عورت پوری شان سے اس تخت پر براجمان ہے۔

"مجتبیٰ بارش...!" چہکتی ہوئی آواز میں کہا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایڑیاں اٹھا کر مجتبیٰ کے کندھے سے اوپر جھانک کر پیچھے کے منظر میں برستی بارش کو دیکھا۔

"کیا کہیں اور بھی برس رہی تھی بارش؟"

وہ برستی بارش کو نہیں زر کی آنکھوں کی نمی کو دیکھ رہا تھا۔

"جب بادل گھر کے آئیں تو بارش تو برستی ہے نا!" ذو معنی جواب آیا تھا۔ اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر ایک بازو اس کے کندھے کے گرد پھیلایا۔ "کیسی ہو؟"

"اب ٹھیک ہوں۔" اک شان بے نیازی سے بالوں کو جھٹک کر کہا۔

وہ دونوں یوں ہی ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بیڈ روم تک آئے تھے۔ مجتبیٰ آگے بڑھ گیا تھا جب کہ زر نے وہیں دروازے میں رک کر سیما گل کو چائے لانے کا کہا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔ زر نے ایک نظر اسے دیکھا نظر نے جیسے پلٹنے سے انکار کر دیا تھا۔ خلاف معمول آج وہ کاٹن کے سفید سوٹ میں ملبوس تھا۔ جھک کر اپنے جوتے اتار رہا تھا۔

"آج کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے؟" وہ زر کو دیکھے بغیر یونہی جھکے ہوئے بولا۔ زر بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"نظر تو لگ چکی ہے۔ واپس لوٹ کر ہی نہیں آئی۔"

اب کے اس نے سیدھا ہو کر زر کو دیکھا تھا۔

"اور دل...؟"

"وہ تو کب کا اپنی جگہ سے غائب ہے۔"

وہ بیڈ پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

"افسوس ہوا سن کر... کب ہوا یہ حادثہ؟" بہت سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

"بس کچھ ہی عرصہ پہلے کی بات ہے۔ تجارت کی تھی کسی سے 'یہ دیکھنے کے لیے کہ فائدہ ہوتا ہے یا نقصان۔" زر نے بھی اسی سنجیدگی سے جواب دیا تھا جس سنجیدگی سے سوال پوچھا گیا تھا۔

"پھر؟ کیا ہوا؟"

"... Totally Loss" (مکمل نقصان) فوراً جواب آیا تھا۔

"Loss It does not sound good"

مجتبیٰ سنجیدہ ہوا۔ اسے زر کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔

اور اس سے پہلے زر کچھ کہتی' دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔ سیما گل چائے لے کر آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کس چیز کی کمی تھی مجتبیٰ خان کو جو اس نے ایسی حرکت کی۔"

"مسورے! مرد ہے وہ اور پھر مذہب نے حق بھی تو دیا ہے اسے' تو پھر میں اور آپ کون ہوتے ہیں روکنے والے..." زرمینے نے دھیمی آواز سے کہا تھا۔

"زرمینے! خوب صورت بیوی مرد کے پیروں میں زنجیر کی طرح ہوتی ہے اور اوپر سے تم اس کے بچے کی ماں بھی ہو پھر آخر اسے کس کمی نے دوسری شادی پہ مجبور کیا؟"

"صورے! یہی تو بات ہے، میں پیروں کی زنجیر تھی... دل کی نہیں...

وہ عورت اس کے دل میں بستی ہے مورے... دل جو انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

اس کا ایک ایک لفظ سچا تھا۔ یہ بات سکینہ جانتی تھیں اور وہ یہ بھی جان چکی تھیں کہ "زر" ہی وہ عورت ہے، جو مجتبیٰ کے دل میں بستی ہے۔

☼ ☼ ☼

اس کے سامنے زرقون اور پرل کا سیٹ کھلا پڑا تھا۔

"اس طرح کی چیزیں میرے لیے کوئی قیمت نہیں رکھتیں مجتبیٰ! میری ضرورت، میری اٹریکشن کچھ اور ہے مجتبیٰ!" وہ اس بے حد قیمتی سیٹ کو ہاتھ سے پرے کرتے ہوئے بے زاری سے بولی۔

"بات ضرورت کی نہیں، محبت کی ہے زر...." وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "میرا دل چاہتا ہے، سارے جہاں کی دولت تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔"

"اور میرا دل کہتا ہے کہ تم کچھ مت کرو... بس میرے پاس رہا کرو۔" وہ یکدم اس کے برابر میں سے اٹھ کر اس کے پیروں میں جا بیٹھی تھی۔

"ایسے مت کرو زر... تم جانتی ہو، زرمینے میری مجبوری ہے۔" اس نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر کہا۔

"بیوی ہے وہ میری، میرے بچے کی ماں ہے اس کے حقوق سے کیسے آنکھیں بند کر لوں۔ میں ڈرتا ہوں زر! قیامت کے دن آدھا مفلوج جسم لے کر خدا کے پاس جانے سے...." وہ اسے اٹھا کر دوبارہ اپنے برابر بٹھاتے ہوئے بولا۔

"مجبوری ہے تو پھر جب تم اس کے بارے میں بات کرتے ہو تو اس کی محبت تمہارے لہجے میں کیوں بولتی ہے۔" وہ سلگ کر بولی۔

"اچھا! حیرت ہے، مجھے تو آج تک پتا نہیں چلا۔" وہ ہلکے سے ہنسا۔

"You really Love her?" (تم واقعی اس سے محبت کرتے ہو؟)

"یہ تم بتاؤ!"

بے اختیار زر نے سر جھکایا تھا۔

"میرے سامنے نام مت لیا کرو اس کا مجتبیٰ! برداشت نہیں ہوتا مجھ سے... جب اس کے پاس سے ہو کر آتے ہو تو لگتا ہے کہ جیسے...."

"بس زر! اتنا غصہ نہیں کرتے۔ اس بے چاری کے پاس تو کچھ بھی نہیں بچا!" مجتبیٰ کے لہجے میں افسوس تھا۔

زر نے چونک کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔

کیا تھا وہ شخص؟

ایک بیوی اور بچے کے ہوتے ہوئے اس نے دوسری شادی کی۔ اور اب یہاں اپنی محبت کے سامنے بیٹھا اپنی بیوی کی محرومی کا سوگ منا رہا تھا۔ انسان کو اتنا نرم دل بھی نہیں ہونا چاہیے۔ زر جھنجلائی تھی۔

☼ ☼ ☼

مجتبیٰ خان نیازی سردار اجمل خان نیازی کا بیٹا تھا اور یہ نام کسی تعارف کا محتاج نہیں تھا۔ وہ ملک کی مشہور سیاسی پارٹی کے چیئرمین تھے۔

وہ پشتوں سے کوئٹہ میں آباد تھے اور کوئٹہ کی سیاست میں سردار اجمل خان کا کافی اثر و رسوخ تھا۔ مجتبیٰ ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کی پہلی شادی اس کی چچا زاد سے کم عمری میں ہی ہو چکی تھی۔

زرمینے کم عمر تھی، خوب صورت تھی اور اس کے بچے کی ماں تھی۔ یہ سب چیزیں مل کر بھی مجتبیٰ کو "زر" سے محبت کرنے سے روک نہیں سکی تھیں۔

زرمینے سے اس کا رشتوں کا بندھن تھا دل کے

سامنے رشتوں کے سارے بندھن کچے ثابت ہوتے ہیں۔

مجتبیٰ نے زر کو پہلی دفعہ اس کے اپنے گھر میں ہی دیکھا تھا۔ وہ افشین ملک کے گھر کچھ اہم پیپرز ڈسکس کرنے آیا تھا۔

وہ گاڑی سے اترا ہی تھا کہ اندرونی دروازہ کھلا اور وہ باہر آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے آئینے میں خود کو دیکھا تھا اور بے اختیار مسکرائی تھی۔ بلاشبہ وہ بہت حسین تھی، مگر سرخ رنگ آج اس پر بہت سوٹ کر رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ آئینے سے وہی سوال کرے، جو وہ بچپن میں کرتی تھی جیسا کہ سنو وائٹ کی سوتیلی ماں کرتی تھی۔

Mirror mirror on the wall
who is fair of them all

"دنیا میں سب سے زیادہ خوب صورت کون ہے"

آئینے نے اسے کیا جواب دینا تھا اور جواب اسے پتا تھا جواب وہ جانتی تھی.... وہ اپنے قیامت خیز حسن سے آگاہ تھی۔

☼ ☼ ☼

جینز کے اوپر گھٹنوں کو چھوتا سرخ رنگ کا فراک پہنے وہ بلاشبہ افشین ملک کی بیٹی تھی جو کہ اندرونی دروازہ کھول کر باہر آئی تھی۔

ایک بازو پہ بیگ ڈالے اور اسی بازو والے ہاتھ میں سیل فون پکڑے وہ کچھ ٹائپ کر رہی تھی جبکہ دوسرا ہاتھ وہ اپنے کھلے بالوں میں چلا رہی تھی۔

"ریڈ کلر کسی کو اتنا بھی سوٹ کر سکتا ہے۔" بے اختیار مجتبیٰ کے ذہن میں خیال ابھرا تھا۔

اس نے مجتبیٰ کو دیکھ کر رسمی سا ہیلو کیا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی تھی۔

اور مجتبیٰ....

وہ سر جھٹک کر اس مبہوت کر دینے والی کیفیت سے باہر آیا تھا۔

وہ بار بار حیرانی سے سوچ رہا تھا کہ کیا کوئی اتنا حسین بھی ہو سکتا ہے۔

☼ ☼ ☼

زر حیدر ملک افشین ملک اور حیدر ملک کی اکلوتی بیٹی۔

"زر" وہ واقعی اسم بامسمّٰی تھی۔

دولت، حسن اور ذہانت سے مالا مال

"حکومت" بھی اس کے گھر میں موجود تھی، مگر اسے اس سے دلچسپی نہیں تھی۔

اس کی ماں افشین ملک پارلیمنٹ کی ممبر تھیں، اپنے باپ کی جائیداد سے لے کر پیار تک کی وہ اکلوتی وارث تھی، مگر سیاست میں افشین ملک اسے اپنا وارث نہ بنا سکیں۔ سیاست اور سیاست دانوں دونوں سے ہی وہ الرجک تھی۔ زر کے والد حیدر ملک پلاننگ

خواتین کے لیے خوبصورت تحفہ

خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا

کا نیا ایڈیشن قیمت -/750 روپے

کے ساتھ کھانا پکانے کی کتاب

کھانا خزانہ

قیمت -/225 روپے بالکل مفت حاصل کریں۔

آج ہی -/800 روپے کا منی آرڈر ارسال فرمائیں۔

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32216361

کمیشن آف پاکستان میں ڈپٹی چیئرمین کے عہدے پر فائز تھے پیسہ بارش کی طرح برستا تھا جسے وہ پانی کی طرح ہی بہاتی تھی۔ اس میں حسن تھا، نزاکت تھی، تمکنت تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کلاس کی دوسری امیر زادیوں کے برعکس مضبوط کریکٹر کی مالک تھی۔ وہ کوئی معصوم بھولی بھالی لڑکی نہیں تھی، مگر چالاک اور بہت ہوشیار نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ آج اسے دوسری دفعہ دیکھ رہا تھا۔

وہ ایک خالصتاً "سیاسی عشائیہ تھا اور اس کا چہرہ بے زاری کا اشتہار سائن بنا ہوا تھا۔ وہ تیز تیز بولتے ہوئے افشین ملک سے کسی بات پہ بحث کر رہی تھی۔ ڈرنک کا گلاس ہاتھ میں پکڑے مجتبیٰ ان دونوں کی طرف آیا تھا۔

"السلام علیکم!" زر کو نظر انداز کر کے وہ افشین ملک سے بولا تھا۔

"آ۔۔۔ مجتبیٰ وعلیکم السلام! ہاؤ آر یو؟"

"فائن۔۔۔" اس نے مسکراتے ہوئے ڈرنک کا گھونٹ بھرا۔

"مائی ڈاٹر زر!" افشین نے زر کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا تعارف کروایا تھا۔

"ہائے! نائس نیم۔۔۔!" مجتبیٰ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر بولا تھا۔

"تھینکس۔۔۔" لبوں پہ ہلکی سی مغرورانہ مسکراہٹ لیے اس نے مجتبیٰ کا ہاتھ تھاما تھا۔

"زر۔۔۔ یہ مجتبیٰ خان ہے۔۔۔ معروف پولیٹیکل شخصیت اجمل خان نیازی کا بیٹا!"

"اوہ! سیاست دان کا بیٹا۔۔۔ یعنی سیاست دان "And I just hate Politicians" (مجھے سیاست دانوں سے نفرت ہے) وہ صاف گو نہیں۔۔۔ منہ پھٹ تھی۔

"کافی منہ پھٹ ہیں آپ۔۔۔ کیا میں اس کو آپ کی دوسری خوبی سمجھوں؟" ڈرنک کا ایک اور گھونٹ بھر کر پوچھا گیا۔

"نہیں۔۔۔ خوبی نہیں۔۔۔ Eminence (فوقیت)" وہ ذرا جو شرمندہ ہوئی ہو۔

"محترمہ مغرور نہ ہوتیں تو یقیناً "یہ حیرت کی بات ہوتی۔" اس نے سوچا۔

"خوبی اور خامی میں تھوڑا ہی فرق ہوتا ہے محترمہ! Good will gesture (اچھا رویہ) بھی کوئی چیز ہوتی ہے یا پھر یہ آپ کے ہاں پائی نہیں جاتی۔" لہجہ نرم مگر انداز طنزیہ تھا۔ مجتبیٰ کے اس طرح کہنے پر افشین ملک نے سخت نظروں سے زر کو دیکھا تھا۔ ورنہ وہ جواب ضرور دیتی۔

"یہ ایکچوئلی ایسی پارٹیز کی عادی نہیں ہے نا! اس لیے بور ہو رہی تھی۔"

افشین ملک نے بے ساختہ وضاحت دی تھی۔

"اٹس او کے۔ ہم سیاست دانوں کو اس سے سخت اور کڑوے جملے سننے کو ملتے ہیں۔ یہ تو کچھ بھی نہیں تھا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ کبھی کبھی حسین چہرے خاموش ہوتے ہیں تو زیادہ حسین لگتے ہیں۔"

آخری جملہ اس نے زر کو دیکھ کر کہا تھا۔ زر کے چہرے پہ سخت برہمی کے آثار نمودار ہوئے۔ وہ مسکرایا اور مڑ کر چلا گیا تھا۔

"مام! مجھے اس شخص سے دوبارہ ملنا ہے۔" حسب توقع وہ چڑ گئی تھی۔ اور افشین ملک نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔ وہ اس کے غصہ کو جانتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"ممی! آپ کہیں جا رہی ہیں؟"

وہ ان کے کمرے میں کوئی بات کہنے آئی تھی، مگر افشین ملک کے بالوں میں لگے رولرز کو دیکھ کر پوچھ بیٹھی تھی۔

"ایک ڈنر ہے۔۔۔ وہاں جانا ہے۔ کیوں؟"

انہوں نے ایک ابرو اٹھا کر پوچھا تھا۔

"ڈنر۔۔۔ مطلب سیاست دان۔۔۔ اور مجتبیٰ خان بھی۔" اس نے ایک سیکنڈ میں حساب لگایا تھا۔

"مجھے بھی آپ کے ساتھ جانا ہے۔" اس نے اطمینان سے کہا افشین ملک نے جھٹکے سے مڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"کیا؟ تمہارا وہاں کیا کام؟" بے ساختہ ان کے منہ نکلا۔

"کیا مطلب؟ ویسے تو آپ مجھے اپنی ہر پارٹی میں گھسیٹ کر لے جاتی ہیں اور اب آپ کہہ رہی ہیں میرا وہاں کیا کام؟" وہ برا مان کر بولی تھی۔

"ہنی! یہ ڈنر ہے وہاں تمہیں میں کیسے لے جاؤں جبکہ صرف میں انوائیٹڈ ہوں۔ آکورڈ لگتا ہے۔"

"جب میں جانا نہیں چاہتی تو آپ کیا کرتی ہیں؟" وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر بولی۔

"میں تمہیں اصرار کر کے ساتھ لے جاتی ہوں۔"

"اور آج میں جانا چاہتی ہوں اور آپ لے کر نہیں جا رہی ہیں تو پھر میں کیا کروں گی؟" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے ایک ابرو اچکا کر پوچھا تھا۔

"تم ایک سویٹ گرل کی طرح اپنے روم میں جا کر ریسٹ کرو گی اور مام کو تنگ نہیں کرو گی۔" افشین ملک نے کسی بچی کی طرح اسے بہلایا حالانکہ وہ پورے تئیس سال کی تھی۔

"فائن!" اس نے کہا اور مڑ کر چلی گئی۔ اور افشین ملک نے مصیبت کے ٹل جانے پر شکر ادا کیا تھا، مگر مصیبت کتنی ٹلی تھی، یہ انہیں اپنی گاڑی میں پہلے سے موجود "زر" کو دیکھ کر پتا چل گیا تھا۔ وہ نک سک سے تیار بیٹھی تھی۔

"زر۔۔۔" وہ بری طرح سے زچ ہو کر بولی تھیں۔ زر نے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔

"ممی! جلدی کریں آپ لیٹ ہو رہی ہیں۔"

"ضدی لڑکی!" منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر وہ گاڑی میں گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اس کی نظریں اسے تلاش کر رہی تھیں، مگر وہ اسے نظر نہیں آیا تھا۔ اس نے افشین ملک کو دیکھا وہ نوجوان سیاست دانوں کے ایک گروپ کے ساتھ تھیں۔

"ممی! پلیز جسٹ ون سیکنڈ!" اس نے افشین ملک کو مخاطب کیا۔

افشین ملک نے مڑ کر اسے دیکھا اور معذرت کر کے وہاں سے ہٹی تھیں۔

"بولو؟"

"مجتبیٰ خان کدھر ہے؟" اس نے براہ راست پوچھا۔

افشین ملک نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔

"مام پلیز، سوال جواب کا سیشن گھر چل کر ہو گا، فی الحال مجھے میری بات کا جواب دیں۔" وہ افشین ملک کے بولنے سے پہلے بول پڑی تھی۔

"وہ نہیں آیا۔"

"کیوں؟" زر جی بھر کر بد مزا ہوئی۔

"وہ میرا یا پھر تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہے کہ بتا کر جاتا کہ وہ آج یہاں کیوں موجود نہیں ہے، خاص طور پر جب محترمہ زر حیدر ملک اسے دیکھنے آئی تھیں۔" وہ بری طرح بور ہو رہی تھی اوپر سے افشین ملک کا رویہ وہ پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

"اسٹوپڈ!"۔

وہ گھر واپس آ چکی تھی اور اسے شدید غصہ آ رہا تھا۔ مجتبیٰ اس کی انسلٹ کر کے گیا تھا۔ وہ اسے جواب دینا چاہتی تھی۔

اس نے مام سے ٹکر لی، پھر پورا ایک گھنٹہ اتنے بور لوگوں کی بور سی گفتگو کو برداشت کیا اور نتیجہ کیا نکلا۔

اس نے کھینچ کر تکیہ دیوار پہ دے مارا تھا۔ چند لمحے وہ کارپٹ پر گرے ہوئے تکیے کو دیکھتی رہی اور پھر پوری قوت سے دوسرا تکیہ دیوار پہ دے مارا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اسلام آباد ایرپورٹ کے لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

ابھی فلائٹ میں ٹائم تھا۔ کانوں پہ ہینڈز فری لگائے اس نے چاکلیٹ کھانے کے لیے منہ کھولا اور پھر کھلے منہ کو بند نہیں کر سکی۔

مائے گاڈ! ابھی چھ مہینے پہلے جس شخص کو دیکھنے کے لیے وہ پوری پلاننگ کے ساتھ ڈنر میں گئی تھی وہ اس کے سامنے موجود تھا۔ اب جب وہ اس بات کو بھول بھی گئی تھی تو وہ اس کے سامنے تھا۔

"اف! کیا بے وقوفی تھی۔ بالکل بچوں والی بات تھی۔" وہ بڑبڑائی تھی۔

"مس بی ہیو میں نے کیا تھا اس نے تو صرف مجھے جواب دیا تھا۔"

یکدم اسے شرمندگی محسوس ہوئی اور اس نے پاس پڑا میگزین اٹھا کر اپنے منہ کے سامنے کر لیا کیونکہ وہ ساتھ والے صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

"میگزین آپ کا چہرہ تو چھپا رہا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ آپ چہرہ چھپا کس سے رہی ہیں؟" اس نے بھاری گمبھیر آواز سنی تھی۔

ایک گہرا سانس بھر کر اس نے میگزین سائڈ میں رکھ دیا اور مجتبیٰ کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے سیل پر کوئی نمبر ملانے میں مصروف تھا، مگر اس کے چہرے پہ ایک محظوظ ہوتی مسکراہٹ ضرور تھی۔

"ہائے!" زر نے کھسیا کر کہا۔

"ہیلو! کیسی ہیں آپ؟" اب کے بھرپور مسکراہٹ سے جواب آیا تھا۔

"فائن...!"

"کہیں جا رہے ہیں آپ؟" بہت سنبھل کر اور انتہائی مہذب انداز میں اس نے پوچھا تھا۔ مجتبیٰ کے چہرے پر مضحکہ اڑانے والے تاثرات ابھرے تھے۔

"نہیں جانا وانا تو کہیں نہیں ہے بس یہ دیکھنے آیا تھا کہ جہاز اڑتا کیسے ہے؟" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اور بے حد دلچسپ نظروں سے مجتبیٰ کو دیکھا۔ وہ ابھی تک مسکرا رہا تھا۔

"اچھا سینس آف ہیومر ہے آپ کا جو کہ عموماً سیاست دانوں میں نہیں ہوتا۔" مجتبیٰ نے تھوڑا سا آگے ہو کر ایک ابرو اچکا کر اسے دیکھا تھا۔

"یہ طنز ہے یا تعریف؟"۔

"سوری۔" وہ پہلے سے بھی زیادہ کھسیاہٹ کا شکار ہوئی تھی۔

"اٹس او کے۔ پہلے بھی عرض کیا تھا کہ ہم سیاست دان ہر چیز کے لیے تیار رہتے ہیں... اچھی ہو یا بری..."

چند لمحوں کے لیے وہ خاموش ہو گئی تھی۔

"سوری اگین... اس دن کے لیے بھی... میں کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی۔"

"جی معلوم ہے مجھے۔ مسز ملک نے بتایا تھا کہ آپ مجھ سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے آئی تھیں، مگر میری بدقسمتی کہ میں وہاں موجود نہیں تھا۔" وہ خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"واٹ؟" وہ حقیقت میں اچھلی۔ "ممی نے آپ کو بتا دیا؟" زر سخت حیران تھی۔

"جی! کافی نائس لیڈی ہیں آپ کی ممی!" مجتبیٰ نے جیسے اسے چھیڑا تھا۔

"اینی ہاؤ۔ فلائٹ کی اناؤنسمنٹ ہو رہی ہے۔ مجھے جانا ہے کیونکہ اگر میں لیٹ ہو گیا تو جہاز کو اڑتا ہوا دیکھنے سے محروم رہ جاؤں گا جبکہ میں تو آیا ہی اسی لیے تھا۔" وہ بے ساختہ مسکرائی۔

"نائس ٹو میٹ یو..."

"مائی پلیژر مام!" وہ سر کو خم دے کر بولا۔

وہ اسے جاتے دیکھتی رہی تھی اور پھر ہلکا سا مسکرا کر سر جھٹکا تھا۔

پہلی ملاقات میں وہ اس لیے زر کو برا لگا تھا کہ وہ سیاست دان تھا جبکہ دوسری ملاقات میں اس نے زر کے لیے۔ "سیاست دان" کی تعریف کو بدل دیا تھا۔

وہ اپنی ممی کا لیپ ٹاپ لیے بیٹھی تھی اور افشین ملک کے آفیشل فیس بک پیج کو اپ ڈیٹ کر رہی تھی۔

ان کی سیکریٹری چھٹی پر تھی سو یہ کام اسے کرنا پڑ رہا تھا۔ زر نے اس آفیشل پیج پہ مجتبیٰ خان کو add

ہوئے دیکھا۔

کچھ سوچتے ہوئے وہ اپنے اکاؤنٹ سے Login ہوئی تھی اور مجتبیٰ خان کے پیج کو سرچ کیا تھا۔

اس سے پہلے وہ کوئی کمنٹ یا میسج کرتی یکدم اس کے ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ یہ تو اس کا بھی آفیشل پیج تھا تو وہ خود تو اسے مین ٹین نہیں کرتا ہو گا لہٰذا وہ زر کے میسج یا کمنٹ کو بھی نہیں پڑھ پائے گا۔

یکدم اسے افسوس ہوا تھا۔ اس نے مجتبیٰ کا پرسنل اکاؤنٹ سرچ کرنے کی کوشش کی، مگر نہیں ملا۔

بہرحال مجتبیٰ کی پرسنل آئی ڈی حاصل کرنا اس کے لیے مسئلہ نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

اور پھر تھوڑی کوشش کے بعد اسے مجتبیٰ کی آئی ڈی مل ہی گئی تھی۔

"آپ نے جہاز کو اڑتے دیکھا؟ کیسا لگا؟"

بے حد مسکراتے ہوئے اس نے ٹائپ کیا تھا۔ وہ آن لائن نہیں تھا مگر وہ جانتی تھی کہ وہ پڑھے گا ضرور اور جان بھی لے گا کہ یہ زر حیدر کی طرف سے تھا۔

کیونکہ اس کی D.P اس کی اپنی ہی تصویر تھی۔ اور چند دن بعد جب اس نے اپنا اکاؤنٹ چیک کیا تو اس کی خوشی بڑی بے ساختہ تھی۔

"میں جہاز کو اڑتے دیکھ کر اتنا خوش اور حیران نہیں ہوا تھا زر بی بی! جتنا کہ آپ کا میسج دیکھ کر ہوا ہوں۔" اس کا جواب موجود تھا۔ وہ دل کھول کر ہنسی تھی۔

زندگی بہت تیزی سے رخ بدلتی ہے اور انسان کی زندگی میں بہت کچھ ایسا ہوتا ہے کہ جس کے ہونے کے بارے میں "کیوں اور کیسے" جیسے سوالوں کا جواب ڈھونڈنے پر بھی نہیں ملتا۔ سو اگر وہ دونوں بھی اپنے بارے میں ایسے سوالات کا جواب ڈھونڈتے... تو نہ ملتا... حیرت کی بات یہ نہیں تھی کہ وہ ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ دو مختلف انسان ہونے کے باوجود بھی ایسا ہو گیا تھا۔

"مجتبیٰ اگر میں تم سے کہوں کہ تم یہاں میرے ساتھ اپنی موجودگی کو جسٹی فائی کرو... تو تم کیسے کرو گے؟"

ایک ایسی ہی ملاقات میں زر نے پوچھا تھا۔ وہ خاصی سنجیدہ تھی۔

مجتبیٰ نے ایک نظر اسے دیکھا۔

بلیک کلر کی بیگی اسٹائل شرٹ اور جینز میں ملبوس وہ بے حد جاذب نظر لگ رہی تھی۔

مجتبیٰ کی جگہ شاید کوئی اور ہوتا تو وہ یہ سوال نہ کرتی مگر یہ سوال مجتبیٰ سے کیا گیا تھا... اور اس سے کیا جانا بھی چاہیے تھا کیونکہ وہ "شادی شدہ" تھا۔

مجتبیٰ نے ایک گہرا سانس بھرا تھا۔

"میں اسے جسٹی فائی نہیں کر سکتا زر بی بی! محض یہ کہہ کر کہ تم میری ایک اچھی دوست ہو... میرے اور بھی بہت سے اچھے دوست ہیں مگر میں ہر کسی سے یوں نہیں ملتا جس طرح تم سے ملتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی وقت آئے کہ میں تم سے اپنے تعلق کو بہتر طریقے سے ڈیفائن کر سکوں... مگر ابھی... میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

کرسی سے ٹیک لگا کر اس نے براہ راست زر کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تھا۔

زر نے ایک گہرا سانس بھر کر اس پر سے نظریں ہٹائی تھیں۔ آنکھوں میں آنے والے نمکین پانی کو گلے میں اتارتے وقت تکلیف ہوتی ہے... سو اس وقت اسے بھی ہوئی تھی۔

اگر مجتبیٰ اس سے "اس تعلق کو جسٹی فائی یا پھر ڈیفائن کرنے کو کہتا تو وہ صرف "ایک لفظ" میں کر دیتی۔

لیکن وہ چاہتی تھی کہ وہ ایک لفظ کی جسٹی فیکیشن مجتبیٰ دے "وہ نہیں...

☼ ☼ ☼

"عبدل! بہت مس کر رہا تھا آپ کو۔" وہ کوئٹہ آیا

ہوا تھا جب زرمینے نے اس سے کہا تھا۔
اس نے مسکرا کر عبدل کو گود میں اٹھایا۔
"عبدل مس کر رہا تھا اور عبدل کی ماں؟"
مجتبیٰ نے نرمی سے پوچھا تھا۔ اس کی بات کا جواب زرمینے کا سرخ ہوتا چہرہ تھا۔
اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا۔
"زرمینے! آج کہہ کر دیکھو۔ تم مجھے مس کر رہی تھیں۔ میں بھی دیکھوں بھلا کیا ہوتا ہے۔" اس نے جیسے زرمینے کو اکسایا تھا۔
"خان پلیز...!" وہ بری طرح سے بلش کر رہی تھی۔
"کہونا زر...!" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا اور زرمینے نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔
اسے جھٹکا ہرگز نہ لگتا اگر پچھلے پانچ سالوں میں مجتبیٰ نے کبھی اسے زر کہہ کر بلایا ہوتا۔
اس سے پہلے کہ مجتبیٰ اسے کوئی وضاحت دیتا وہ "میں کھانا لگواتی ہوں" کہہ کر باہر چلی گئی تھی۔
"یہ کیا ہوا؟" مجتبیٰ خود حیران تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے اپنے تھیسس کا جو ٹاپک چنا تھا، وہ تھا "Reasons of low literacy rate in Balochistan"
(بلوچستان میں خواندگی کی گرتی ہوئی شرح) اور اس لیے چنا تھا کہ مجتبیٰ اسے گائیڈ کر سکتا تھا۔ اور اس نے واقعی ہی "زر" کی ہر ممکن مدد کی تھی۔
اس کی فیملی میں سے تین چار لوگ منسٹری آف ایجوکیشن سے وابستہ تھے اور اس کے علاوہ اس کا ایک دوست یونیسکو کے پروجیکٹ سے وابستہ تھا۔
اس نے ان تمام لوگوں سے میٹنگز ارینج کروائی تھیں۔ وہ خود اسے لے کر ان لوگوں کے آفسز میں جاتا رہا تھا۔ بلوچستان کے کئی علاقوں کے بارے میں مجتبیٰ نے خود زر کو بریفنگ دی تھی۔
وہ اتنی نرمی سے بولتا تھا، وہ اتنا متحمل مزاج اور دھیمی طبیعت کا تھا کہ زر نے اس سے کہا تھا۔
"تم اتنے نرم مزاج ہو مجتبیٰ خان! کہ تمہارے پختون ہونے پر شک ہونے لگتا ہے۔"
اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔
زر کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے غلطی سے اس کا مکڑی کے جالے پر پاؤں آگیا تھا اور اب وہ پھنستی ہی چلی جا رہی تھی... جکڑتی ہی جا رہی تھی۔
دن کے چند گھنٹے جو وہ اس کے ساتھ گزار کر آتی تھی۔ ان چند گھنٹوں کے سحر سے وہ باقی سارا وقت خود کو آزاد نہیں کر پاتی تھی۔
ابھی وہ اس سے مل کر آئی تھی اور جب سے آئی تھی یوں ہی بیٹھی تھی۔
اس کے ہنسنے کا اسٹائل، بات کرنے کا طریقہ، بولتے بولتے بالوں میں ہاتھ چلانا، عادتاً بال پوائنٹ کو ہونٹوں پر رکھنا، اس کا زربی بی کہہ کر اسے پکارنا... اس کی نگاہوں کے سامنے ایک فلم سی چل رہی تھی۔
"بائے گاڈ" اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر جھٹکا تھا۔
"میرے لیے... میری محبت کے لیے کیا دنیا میں صرف مجتبیٰ خان ہی بچا تھا؟"
بہت بے بس ہو کر اس نے سوچا تھا۔
وہ شخص جو کہ ایک بچے کا باپ ہے اور وہ شخص جو مجھ سے ایک تعلق کو ثابت نہیں کر سکتا۔
اس نے کسی گرم چیز کو بہت نرمی سے گالوں پر پھسلتے ہوئے محسوس کیا تھا۔
"یہ ٹھیک نہیں ہوا۔" وہ بڑبڑائی تھی اور اس گرم چیز کے پھسلنے میں شدت آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

تھیسس مکمل ہونے کے بعد زر کچھ عرصہ کے لیے پاکستان سے باہر چلی گئی تھی۔
اور آج پورے دو ماہ بعد وہ مجتبیٰ سے ملنے آئی تھی۔ اور آتے وقت وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جس

شخص نے دو ماہ میں اسے دو دفعہ بھی فون نہیں کیا تھا وہ اسے یوں کسی کافی شاپ میں پرپوز کر دے گا۔
وہ اپنے سامنے پڑے، کھلے کیس کو دیکھ رہی تھی جس میں پلاٹینم کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔
"اسے زبردست جھٹکا لگا تھا۔ حیرت، خوشی اور پریشانی۔
"Isnt Dream" وہ چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا کر بولی تھی۔
"اب مانگو۔ جو بھی جیسی بھی Justification مانگنی ہے..." لبوں پہ ہاتھوں کی بند مٹھی رکھے وہ بولا۔
"تم بتا نہیں سکتے تھے مجتبیٰ... میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو..."
اس نے زر کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرایا۔
زر کو چند منٹ اور لگے تھے خود کو سنبھالنے میں۔
پھر اس نے انگوٹھی کو لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔
"زر... ایک منٹ...!"
اس نے چونک کر مجتبیٰ کو دیکھا۔
"اس رنگ کو پہننے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا کہ تم ایک بٹے ہوئے شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر رہی ہو۔ تمہارے لیے مستقبل میں مجھ سے زیادہ بہتر آپشنز ہوں گے سو اموشنل (جذباتی) ہو کر نہیں۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔"
"میں تم سے صرف ایک سوال کرنا چاہوں گی مجتبیٰ! جب تم نے یہ رنگ کیس میرے سامنے کھول کر رکھا تو یہ تمہارا جذباتی فیصلہ تھا یا تم نے سوچ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔"
مجتبیٰ نے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔
"مجھے اپنے اس جذباتی عمل کے لیے ایک لمبی جنگ لڑنی ہے زر..."
"اور مجھے بھی اگر اپنے اس جذباتی عمل کے لیے کوئی جنگ لڑنی پڑی تو میں ضرور فائٹ کروں گی مجتبیٰ..." وہ رکی۔ پھر بولی۔
"اور میرے لیے ــــ تم سے بہتر کوئی آپشن اور ہو ہی نہیں سکتا۔"
وہ دونوں بے حد سنجیدگی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ یہ دونوں کی ٹین ایج چاہت نہیں تھی... یہ اس عمر کی چاہت تھی جو یا تو ہوتی نہیں اور اگر ہوتی ہے تو پھر کچھ دیکھتی نہیں...
زر نے وہ انگوٹھی اٹھا کر اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہن لی تھی۔
"اگر وہ...
میری آنکھوں میں...
مجسم دیکھ لے خود کو
مجھے پورا یقین ہے کہ...
اسے میری محبت سے...
بلا کا "عشق" ہو جائے..."
وہ ہی نرم سا لہجہ تھا مگر نہ جانے کیوں آج وہ لہجہ اس کی دھڑکن کو ابنارمل کر رہا تھا۔
مجتبیٰ نے زر کو اس طرح سے چاہا تھا کہ زر کو خبر تک نہ ہو سکی تھی اور اب جب خبر ہوئی تھی تو اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے یہ اس کی "خوش قسمتی" نہیں تھی یہ خوش قسمتی سے بڑھ کر کچھ اور تھا...
اور آج اسے اس ایک لفظ کی وضاحت مل گئی تھی جسے محبت کہا جاتا ہے۔

☼ ☼ ☼

حیدر ملک اس کی بات سن کر چائے پینا بھول گئے تھے اور خاموشی سے ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر ہونٹوں پر رکھے سوچ رہے تھے۔
"تم نے اگر یہ بات کی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تمہارے پاس ٹھوس وجوہات ہیں، لیکن ایک باپ ہونے کے ناتے میرا مشورہ یہی ہے جانی! ڈونٹ ڈو دس..." وہ بہت پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر بولے۔
زر ہاتھ چھڑا کر خاموشی سے اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔
"میں جانتی تھی کہ آپ اس بات کو پسند نہیں کریں گے لیکن ڈیڈی! کیا یہ بات اہم نہیں ہے کہ میری پسند کیا ہے؟"

اس نے قدرے اداسی سے کہا۔
"بات تمہاری پسند کی اہمیت کی نہیں ہے' بات تمہاری سلیکشن کی ہے۔"
"اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا انتخاب غلط ہے؟"
"ہنی! تمہیں جو چیز پسند آتی ہے' تم اسے فوراً حاصل کرنا چاہتی ہو۔"
زر نے مڑ کر انہیں دیکھا۔ وہ اس کے باپ تھے' بچپن سے وہ اس کی تمام عادات سے واقف تھے اور وہ صحیح کہہ رہے تھے مگر وہ اس بات سے واقف نہیں تھے کہ "مجتبیٰ" کوئی چیز نہیں تھا۔
وہ آہستہ سے چلتے ہوئے ان تک آئی تھی۔
"ڈیڈی! وہ چیز نہیں ہے۔"
ان کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے' ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اس نے کہا۔
بے ساختہ انہوں نے ایک گہرا سانس بھرا تھا۔
"ممی کو کوئی Objection (اعتراض) نہیں ہے تو۔۔۔"
"ہنی ممی کی بات کو چھوڑو زر! اسے تو سیاست سے آگے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔" وہ ذرا ناراضی سے بولے تھے۔
"بیوروکریٹس اور سیاستدانوں کی آپس میں کبھی نہیں بنتی' میں حیران ہوں کہ آپ دونوں نے شادی کیسے کرلی؟" وہ مسکرائی۔
"آپ کی چائے ٹھنڈی ہورہی ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی تھی۔
"ہنی۔۔۔!"
وہ دروازے میں پہنچی تھی جب حیدر ملک نے اسے پیچھے سے پکارا تھا۔
"Take Your Time۔۔۔"
اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور چلی گئی تھی۔
حیدر جانتے تھے کہ وہ ان کے کہنے پر ٹائم تو ضرور لے گی مگر فیصلہ نہیں بدلے گی۔ اور اگر کسی وجہ سے اسے فیصلہ بدلنا بھی پڑا تو وہ مجتبیٰ کے بعد وہ کسی اور سے شادی ہی نہیں کرے گی۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی بیٹی Extremist (شدت پسند) تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بال بنارہی تھی جب سیما گل دستک دے کر اندر داخل ہوئی تھی۔
"مہمان آئے ہیں۔" وہ کچھ جھجک کر بولی۔
"اچھا ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ' آتی ہوں میں۔" اس نے بے توجہی سے کہا۔
سیما گل کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی مگر اس کی بے توجہی پا کر چلی گئی تھی۔
پیچ کلر کے شیفون کے فراک کے اوپر اس نے بیڈ پر سے سرخ دوپٹا اٹھا کر گلے میں ڈالا۔
کھلے بالوں کو پیچھے سے لا کر ایک کندھے پر گرایا۔ ڈریس سے میچنگ لپ گلوس لگایا۔ اور آئینے میں ایک نظر اپنا جائزہ لینے کے بعد وہ باہر چلی آئی تھی۔
اس کے خیال میں مہمان ڈرائنگ روم میں تھے مگر وہ تو لاؤنج میں ہی براجمان تھے اسے حیرت ہوئی۔
وہ دو خواتین تھیں جن میں ایک ادھیڑ عمر کی خاتون تھیں جبکہ دوسری اکیس بائیس سال کی لڑکی تھی۔
خاتون بڑی شان سے صوفے پر براجمان تھیں جبکہ وہ لڑکی کچھ نروس سی نظر آرہی تھی۔
"السلام علیکم!" ادھیڑ عمر خاتون نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا بلکہ وہ بڑی تنقیدی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
زر کے ماتھے پر بل پڑے تھے اور ایسے ہی کئی بل ان خاتون کے ماتھے پر بھی موجود تھے۔
"آپ کی تعریف؟" اس نے براہ راست اس لڑکی سے پوچھا۔
"یہ کیا بتائے گی' ہم بتاتے ہیں اس کی تعریف۔" زر کے ذہن میں یکدم کلک ہوا تھا' اردو ٹھیک تھی مگر لہجے میں پٹھانوں والا لہجہ ضرور تھا۔
"یہ مجتبیٰ خان کی پہلی اور "خاندانی" بیوی اور اس کی وراثت کے وارث کی ماں "زرمینے" ہے۔" لہجہ سخت تھا۔ زر تلملا گئی وہ خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔ جس طرح انہوں نے لفظ "خاندانی" کہا تھا' اس کو برداشت کرنے کی کوشش بھی کررہی تھی۔
وہ مجتبیٰ کی مورے تھیں اب یہ کلیئر ہوگیا تھا۔
"اب آپ ذرا میری تعریف بھی سن لیجیے' میں مجتبیٰ خان کی دوسری بیوی مگر پہلی محبت اور اس کے دل کی وراثت کی وارث ہوں' وہ وراثت جسے اس نے اپنی پہلی اور "خاندانی" بیوی کے نام کرنا پسند نہیں کیا۔"
اس نے مورے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر' ان سے بھی زیادہ تیز لہجے میں بات کی تھی۔ اس نے زرمینے کا چہرہ فق ہوتے دیکھا تھا۔
"زبان کا صحیح استعمال نہیں سکھایا کسی نے تم کو؟"
اس کی توقع کے عین مطابق وہ بھڑک اٹھی تھیں۔
وہ مسکرائی۔ "سکھایا ہے اور بہت ہی اچھی طرح سے سکھایا گیا ہے کہ جو جس زبان اور لہجے میں بات کرے' اسے اسی زبان اور لہجے میں جواب دو۔" کیا ہی دل جلانے والی مسکراہٹ تھی۔
اور پھر اس نے رد عمل کا انتظار کیے بغیر سیما گل کو آواز دی۔
"جی بی بی!"
"مہمانوں کی خاطر داری میں کوئی کسر نہ رہے' ان کو پتا چلنا چاہیے کہ وہ زر مجتبیٰ کے گھر تشریف لائی ہیں۔" پھر اس نے ڈرائیور کو آواز دے کر کہا تھا۔
"بشیر۔۔۔ بشیر گاڑی نکالو۔"
وہ پلٹ کر چلی گئی تھی۔
تھوڑی دیر بعد "مورے" نے اسے پاؤچ ہاتھ میں پکڑے باہر جاتے دیکھا تھا۔
زرمینے نے ڈرتے ڈرتے ایک نظر مورے کو دیکھا۔ غصے کی شدت سے ان کا چہرہ سرخ ہوچکا تھا۔
اور وہ خود۔۔۔
اسے غصہ آیا تھا نہ طیش۔۔۔
"ہاں! تم اتنی خوبصورت ہو کہ کوئی بھی مرد' ایک کیا چار چھوڑ کر' تمہیں اپنا سکتا تھا۔"
وہ سوچ رہی تھی۔
وہ تب چونکی جب اس نے مورے کی طیش بھری آواز سنی تھی۔
وہ پشتو میں زر کے بخیے ادھیڑنے میں مصروف تھیں۔

☼ ☼ ☼

جو کچھ ہوا' وہ اس کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر بار بار زرمینے کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آرہا تھا۔ زر کو ماننا پڑا تھا' وہ بھی کچھ کم خوبصورت نہیں تھی۔
اور سکینہ خاتون کے "خاندانی بیوی" کے الفاظ۔۔۔
ایک بار نہیں بار بار اس کے کانوں میں سیسہ انڈیل رہے تھے۔
وہ ابھی آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر یہ نہیں پوچھ سکتی تھی کہ "خوبصورت ترین عورت کون ہے۔"
اس کے پاس کوئی ایسا آئینہ فی الوقت موجود نہیں تھا۔ اس وقت اس کے سامنے بشیر ڈرائیور تھا' اور بڑی شدت سے اس کا دل چاہا کہ وہ بشیر سے ہی پوچھ لے کہ "وہ ساری دنیا سے نہ سہی' کیا وہ زرمینے سے خوبصورت ہے؟"
مگر وہ جانتی تھی کہ وہ ایسا نہیں کرسکتی تھی' وہ صرف کڑھ سکتی تھی۔
سو وہ کڑھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ جانتا تھا کہ آج زر کا موڈ کس قدر "خوشگوار" ہوسکتا تھا۔ اسے مورے کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔
"سیما گل!" کمرے میں جانے کے بجائے اس نے سیما کو آواز دی تھی۔
"بی بی کدھر ہے؟"
"کمرے میں۔۔۔"
"کھانا کھایا؟"
"نہیں صاحب۔۔۔!"

"ٹھیک ہے..... جاؤ کھانا لگاؤ۔"

ایک گہرا سانس بھر کر اس نے کمرے کا دروازہ کھولا ماتھے پر ہزاروں تیوریاں چڑھائے وہ بظاہر میگزین کھولے بیٹھی تھی۔

"کیسی ہو؟" ٹائی ناٹ ڈھیلی کرنے کے بعد اس نے ہاتھ میں پکڑا کوٹ بیڈ پر اچھالتے ہوئے پوچھا۔

"فائن!" تندو تیز سی آواز آئی تھی۔

اس سے پہلے وہ کچھ اور کہتا۔ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

زر نے گھور کر دروازے کو دیکھا جبکہ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

"کھانا لگ گیا ہے صاب!" سیما گل کہہ کر واپس چلی گئی۔

"زر! تم چلو ڈائننگ ٹیبل پر۔ میں چینج کر کے آتا ہوں" وہ اس کے تیور دیکھے بغیر واش روم میں چلا گیا۔

اور جب وہ واپس آیا تو حسب توقع وہ وہیں بیٹھی تھی۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا تھا۔

"چلیں!" مڑ کر اس نے کہا۔

زر نے کاٹ دار نظروں سے مجتبیٰ کو دیکھا' میگزین بند کر کے اسے زور سے سائیڈ ٹیبل پر پٹخا اور اٹھ کر مجتبیٰ کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں نرم سا تاثر لیے وہ اپنی مسکراہٹ کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"بہت اچھی ایکٹنگ کر لیتے ہیں آپ!" کاٹ دار آواز میں کہا گیا تھا۔

"اوہ میم! تھینکس فار دا کمپلمنٹ۔" سینے پہ ہاتھ رکھ کر اس نے جھک کر کہا۔

"تم! تم ایسے بی ہیو کر رہے ہو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور وہ تمہاری مدر... انسلٹ کر کے گئی ہیں میری... ایک عورت میرے ہی گھر میں کھڑی ہو کر مجھے میرے ہی شوہر کی خاندانی بیوی سے متعارف کرا رہی ہے... کس قدر ہتک آمیز ہے یہ۔" اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے تھے۔

"ایزی۔ ایزی۔ ایزی۔" اس نے زر کے دونوں ہاتھ پکڑ کر نیچے کرتے ہوئے کہا تھا۔ اس نے ہاتھ چھڑا لیے۔

"چلو چل کر کھانا کھاتے ہیں۔" اس نے زر کے کندھے پر ہاتھ پھیلا کر کہا تھا۔

"تمہیں میری بالکل پروا نہیں ہے مجتبیٰ! I am hurt" اس نے سر اٹھا کر مجتبیٰ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا جبکہ اس کی اپنی آنکھیں نم تھیں۔

مجتبیٰ نے ایک گہرا سانس بھرا تھا۔

"یہاں بیٹھو!" اس نے زر کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں موجود صوفے پر بٹھایا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ چند لمحے وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"زر! پہلے ایک بات ذہن میں کلیئر کر لو۔" وہ اس کی طرف مڑا۔

"اس شادی سے اگر کوئی خوش ہے تو وہ صرف اور صرف ہم دونوں ہیں۔ سو اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"اس کا جو بھی مطلب ہوا کرے مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے مجتبیٰ! کہ جس کا دل کرے وہ میرے گھر آئے اور میری انسلٹ کر کے چلا جائے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو' سو فیصد بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو' مگر یہ بھی تو دیکھو' مورے باتیں کرنے کے علاوہ کچھ کہہ نہیں سکتیں اور اور پھر تم نے بھی تو حساب برابر کر دیا تھا نا۔ گھر سے جا کر..."

"واٹ! تو کیا میں گھر میں بیٹھ کر ان کی باتیں سنتی' اور وہ بھی تمہاری خاندانی بیوی کے سامنے۔" وہ بھڑک اٹھی۔

"اوکے اوکے۔ بھول جاؤ اسے۔ چلو کھانا کھاتے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے پچکارتے ہوئے بولا۔

"مجتبیٰ!" اس نے بے زار ہو کر کہا تھا۔

"زر پلیز... میں کیا کروں اب اگر وہ یہاں آ ہی گئی تھیں تو میں نے تو انہیں نہیں کہا تھا نا ایسا کرنے کو۔" وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

زر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

"اوکے فائن! اب یہاں کوئی بھی نہیں آئے گا۔ زرمینے نہ مورے اب ٹھیک ہے؟" وہ خاموش رہی تھی۔

"کم آن زر... کھانا ٹھنڈا ہو چکا ہو گا اور مجھے بھوک لگی ہے۔"

"ہم چلو... آتی ہوں میں..." وہ برا منہ بنا کر بولی۔

"اوہ شکر ہے خدا کا۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"سنو!" وہ دروازے کے قریب جا کر رکا پھر اور مڑ کر بولا۔

"اتنے برے برے منہ بناتی ہو تم Land Zombi کے کسی کریکٹر کی طرح لگ رہی تھیں۔"

"مجتبیٰ!" وہ چیخی تھی اور کھینچ کر پاس پڑا کشن اسے دے مارا تھا۔ جو کہ دروازے سے ٹکرا کر نیچے گر گیا تھا کیونکہ مجتبیٰ نے بروقت دروازہ بند کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

زر سے شادی کے بعد مجتبیٰ اپنی دونوں بیویوں کو برابر وقت دیتا تھا۔ دوسری شادی کا ہرگز مطلب یہ نہیں تھا کہ اس نے زرمینے کو نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ اب زرمینے اور عبدل کا پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھتا تھا' مگر اپنی سیاسی اور بزنس کی مصروفیات کی وجہ سے اس کا زیادہ تر وقت اسلام آباد میں ہی گزرتا تھا۔ گو کہ زرمینے اس سے شکایت نہیں کرتی' مگر وہ خود کو مجرم محسوس کرتا تھا۔

ابھی بھی وہ کوئٹہ پورے ماہ بعد آیا تھا' وہ بھی عبدل کی بیماری کا سن کر۔

"کیسی ہو زرمینے؟" اس نے پوچھا۔

"شکر ہے' خان... ٹھیک ہوں۔" مدہم لہجہ جھکا سر' مرجھایا چہرہ یقیناً" وہ عبدل کی وجہ سے پریشان تھی۔

"عبدل کدھر ہے؟"

"سو رہا ہے۔"

"طبیعت کیسی ہے اب اس کی؟"

"بہتر نہیں ہے۔ بخار ہی نہیں اتر رہا اس کا۔" یہ کہتے ہوئے زرمینے کی آواز رندھ گئی تھی۔ وہ اٹھ کر عبدل کی کاٹ تک آیا۔

عبدل کے ماتھے پہ ہاتھ رکھ کر اس نے بخار چیک کیا۔ بخار کی شدت کم تھی مگر ابھی بھی مکمل طور پر اترا نہیں تھا۔

وہاں سے پلٹ کر وہ اپنے سیل پر نمبر زپش کرنے لگا تھا وہ کسی ڈاکٹر سے بات کر رہا تھا۔

اور پھر عبدل کی وجہ سے اسے کوئٹہ میں معمول سے زیادہ وقت لگ گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ عبدل مکمل طور پر صحت یاب ہو جائے تو ہی وہ واپس اسلام آباد جائے۔

عبدل کی طبیعت کافی بہتر تھی' مگر وہ چڑچڑا سا ہو گیا تھا روتا بہت تھا اور اس کی نیند بھی کم ہو گئی تھی۔

ابھی بھی زرمینے بیڈ پر عبدل کے ساتھ نیم دراز تھی اور اسے سلانے کی کوشش کر رہی تھی جبکہ وہ بیڈ کے دوسری طرف اس طرح لیٹا ہوا تھا کہ عبدل اس کے اور زرمینے کے درمیان تھا۔ عبدل نیم غنودگی کی سی حالت میں تھا' اچانک مجتبیٰ کے سیل نے بیپ کیا تھا۔

زرمینے نے فوراً" بڑے ہی بے ساختہ انداز میں سیل فون کی طرف دیکھا کیونکہ اس کی آواز سے عبدل جاگ سکتا تھا۔

اور مجتبیٰ نے زرمینے کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے رنگ ٹون کو پورا بجنے بھی نہیں دیا تھا اور فوراً" دیکھے بغیر سیل آف کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ سیکنڈز میں ہوا تھا۔

عبدل تھوڑی دیر بعد مکمل طور پر سو چکا تھا۔

اس نے ہاتھ کے اشارے سے زرمینے کو اپنے پاس بلایا تھا۔ سر پہ دوپٹا ٹھیک کرتے ہوئے وہ اس کے پاس آئی۔ زرمینے کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اس نے کبھی بھی نظریں اٹھا کر مجتبیٰ سے بات نہیں کی تھی۔

چند لمحے سر جھکائے وہ کچھ سوچتا رہا۔

"زرمینے! یہ کبھی مت سمجھنا' میں نے دوسری شادی اس لیے کی کہ تم میں کوئی کمی تھی۔ تم۔۔۔ تم بہت اچھی بیوی ہو' مگر انسان کبھی کبھی دل کے ہاتھوں بہت مجبور ہو جاتا ہے۔ تم اور عبدل بہت اہم ہو میرے لیے۔ کبھی سوچنا بھی مت کہ مجتبیٰ خان کسی بھی حال میں تم دونوں سے آنکھیں بند کر لے گا۔ یہ میری غیرت کے خلاف ہے۔"

اس کے ہاتھوں پہ ہاتھ رکھے وہ بے حد آہستگی سے بول رہا تھا۔

"جانتی ہوں خان! آپ کبھی بھی میری حق تلفی نہیں ہونے دیں گے اور کچھ بھی حالات ہوں آپ مجھے چھوڑیں گے بھی نہیں۔۔۔ سمجھتی ہوں میں آپ کو خان! میں نے بہت کھلے دل سے آپ کے فیصلے کو قبول کیا ہے اور یہ ایک پختون عورت کی غیرت کے خلاف ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لیے مشکلات پیدا کرے۔۔۔"

جھکے ہوئے سر کے ساتھ وہ مدہم لہجے میں بے حد سادگی سے بات کر رہی تھی۔ وہ مجتبیٰ کے پہلو میں ذرا فاصلے پہ بیٹھی تھی۔ اس نے ہاتھ سے زرمینے کے چہرے پر سے دوپٹا ہٹایا۔ زرمینے کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔

"ادھر دیکھ کر کہو ذرا۔۔۔" بے اختیار وہ گھبرائی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے والا اعتماد یکدم ختم ہوا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس کا چہرہ سرخ' دھڑکن تیز اور سر مزید جھک گیا تھا اگر عبدل کے اٹھنے کا ڈر نہ ہوتا تو وہ ضرور دل کھول کر ہنستا۔ مجتبیٰ چند لمحے اسے دیکھتا رہا تھا۔

"اتنا صبر کیسے ہے تم میں زرمینے؟" اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اس نے مدہم سے لہجے میں پوچھا۔

"زرمینے کے صبر کے لیے یہ ہی کافی ہے کہ "مجتبیٰ خان نیازی" اب بھی اس کا شوہر ہے۔"

مجتبیٰ سے بھی مدہم آواز میں جواب آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کب سویا اور کب زرمینے اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھی' اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔ آنکھیں کھلتے ہی اسے پہلا خیال "زر" کا آیا تھا جب سے وہ آیا تھا اس نے زر سے کانٹیکٹ ہی نہیں کیا تھا۔

ادھر ادھر ہاتھ مارتے ہوئے اس نے سیل فون تلاش کیا اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلا آیا۔

ہلکی سرخ آنکھیں' بے ترتیب بال' سفید رنگت اس وقت سرخی مائل ہو رہی تھی۔

زرمینے بے اختیار ہی اسے دیکھے گئی تھی۔ لاؤنج سے گزر کر باہر چلا گیا تھا اور زرمینے مڑ کر اسے باہر جاتا دیکھتی رہی تھی۔

"اگر پہلے ایسے دیکھ لیتیں تو یوں نہ پچھتا رہی ہوتیں تم۔۔۔ زرمینے!" وہ نہیں جانتی تھی کہ سکینہ اسے دیکھ رہی ہیں۔

وہ چونک کر مڑی اور ہلکا سا مسکرائی۔

"میں اب بھی نہیں پچھتا رہی ہوں مورے! شکر کرنے کے لیے کیا یہ کافی نہیں ہے کہ خان آج میرے کمرے میں موجود تھا مورے! میں ناشکری عورتوں میں سے نہیں ہوں۔"

اس نے نرمی سے کہا اور واپس چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

فون آن کرتے ہوئے اس کی نظر لان میں پھرتے ہوئے مور پر پڑی تھی۔ وہ چند سیکنڈز کے لیے اس طرف متوجہ ہو گیا تھا اور پھر جب اس کا سیل آن ہوا تو دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔ کیونکہ زر کی مسڈ کال تھی۔

بے اختیار اس نے یاد کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ کتنی دیر تک سوتا رہا تھا اور اس کا سیل کتنی دیر تک بند رہا تھا۔

اتنا ٹائم تو زر تو کیا' کسی کے لیے بھی ایک عدد کہانی بنانے کے لیے کافی تھا۔

اس نے زر کا نمبر یہ توقع کرتے ہوئے ہی ملایا تھا کہ وہ آف ہو گا اور وہ آف ہی تھا۔ بے ساختہ اس نے گہرا سانس بھرا اور پھر اس نے گھر کا نمبر ملایا تھا۔

"زر کہاں ہے سیما گل؟" سیما گل کے فون اٹھانے

پر اس نے پوچھا۔

"وہ تو گھر پہ نہیں ہے۔"

"کہاں گئی ہے؟"

"پتا نہیں صاب! گاڑی لے کر نکلا ہے بی بی۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے فون بند کر دیا۔ وہ بہت اچھی طرح سے زر کے مزاج کو سمجھتا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ بدگمان ہونے میں ایک سیکنڈ کا وقت بھی نہیں لگائے گی۔

☼ ☼ ☼

"زر! بات مت کرنا اس سے' حد ہوتی ہے لاپروائی کی۔" حیدر ملک جب کمرے میں داخل ہوئے تو افشین ملک زر سے کہہ رہی تھیں۔

"بجائے اسے سمجھانے کے آپ الٹا اس کا دماغ خراب کر رہی ہیں۔" وہ ذرا غصے سے بولے۔

"آپ چپ رہیں گے تو زیادہ بہتر ہو گا۔ مجھے معلوم ہے کیسے ہینڈل کرنا ہے اس معاملے کو۔" افشین ملک نے تیز لہجے میں جواب دیا۔

"یقیناً" آپ بہتر جانتی ہیں کہ کیسے اس معاملے کو خراب کرنا ہے۔"

"حیدر!" افشین ملک تلملا کر پلٹیں۔

"پلیز! کیا آپ مجھے' میری بیٹی سے بات کرنے کا موقع دیں گی؟" ایک ہاتھ اٹھا کر انہوں نے افشین کو مزید بولنے سے منع کرتے ہوئے کہا۔

وہ ایک تیز سی نظر ان پر ڈالتے ہوئے باہر چلی گئی تھیں۔ ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے وہ زر تک آئے تھے۔

"بیٹا! مرد کو وہی بیوی اچھی لگتی ہے جو اس کی پرابلم کو سمجھے۔ نہ کہ اس کے لیے پرابلم پیدا کرے۔ پرابلم پیدا کرنے والا ہر کسی کو بھی ناپسند ہوتا ہے۔ اور مجھے پتا ہے میری بیٹی بہت سمجھ دار ہے۔" اس کے ساتھ بیٹھ کر اس کے کندھے کے گرد ہاتھ پھیلاتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"بٹ ڈیڈی! بات اتنی بڑی نہیں ہے جتنا ایشو تم اور تمہاری ماں کری ایٹ کر رہی ہیں۔۔۔ کم آن زر۔۔۔ ڈونٹ بی چائلڈش۔۔۔"

اوکے وہ برے دل سے بولی۔

"مجتبیٰ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ میں اسے بھیجتا ہوں۔"

دروازے تک جاتے جاتے وہ مڑ کر بولے تھے۔

☼ ☼ ☼

مجتبیٰ کمرے میں داخل ہوا تو وہ گلاس وال کے سامنے کھڑی تھی۔ باپ کے سمجھانے کا اتنا اثر ہوا تھا کہ وہ اب تک خاموش تھی۔

وہ اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔۔۔

"زر!" مجتبیٰ نے مدہم آواز میں اسے پکارا۔

اس نے جواب نہیں دیا' مگر آنسو آنکھوں سے گرنے لگے تھے۔

"اوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ نہیں۔۔۔ رونا نہیں۔" اس کا رخ اپنی طرف موڑتے ہوئے اس نے انگلی کی پور سے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

"مجتبیٰ کے لیے دنیا کی سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز ہے' تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھنا۔" اس کا ہاتھ ابھی تک زر کے بازوؤں پہ ہی تھا۔

زر نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

متورم آنکھیں' بھیگی پلکیں اور ان بھیگی آنکھوں کی خوب صورتی۔۔۔ کیا یہ کم تھا اس پہ فدا ہونے کے لیے۔۔۔

"تکلیف بھی تو تم ہی دیتے ہو۔" آنسوؤں سے بوجھل آواز میں جواب آیا۔

"میں۔۔۔؟" وہ حیران ہوا۔ "میں تمہیں تکلیف دے سکتا ہوں؟"

"فون میرا تم نے کاٹ دیا' اوپر سے اتنے دن لگا کر آئے ہو اور ابھی بھی کہتے ہو کہ تم مجھے تکلیف نہیں دے سکتے۔" نم آنکھیں لیے وہ خفا ہو رہی تھی۔

"ادھر آؤ۔۔۔ یہاں بیٹھو۔۔۔" مجتبیٰ اسے روم چیئر پہ

بٹھاتے ہوئے بولا اور دوسری چیئر گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے زر کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔

بلیک ٹی شرٹ اور بلیک پینٹ کے اوپر اس نے گلے کے گرد گرے کلر کا مفلر یوں لپیٹا ہوا تھا کہ اس کے دونوں سرے آگے کو گرے ہوئے تھے۔ بلیک کلر میں وہ ہمیشہ سے زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ نظریں اٹھاتا' زر نے فوراً" منہ پھیر لیا۔

"یہ جو دل ہوتا ہے نا زر...! یہ ایک وقت میں کسی ایک کے نام پہ نہیں دھڑکتا۔" اسے دھچکا لگا۔ حیران ہو کر اس نے مجتبیٰ کو دیکھا تھا۔

"حیران مت ہو... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اس میں بہت سے خانے ہوتے ہیں اور ہر خانہ کسی ایک کی محبت کے نام فکس ہوتا ہے۔ جیسے باپ کی محبت' جیسے ماں کی محبت' بہن' بھائی کی محبت جیسے عبدل کی محبت اور جیسے تمہاری محبت... جو تمہارے نام کا خانہ ہے نا... وہ کبھی بھی' کسی بھی حالت میں کسی اور کے نام نہیں ہو سکتا۔ کیا یہ کافی نہیں ہے؟" اس نے سوال کیا۔ وہ خاموش رہی تھی۔

"کیا کہیں... میری محبت میں کمی ہے؟" ایک اور سوال آیا۔

زر نے بے اختیار آنکھیں بند کی تھیں۔

"نہیں مجتبیٰ... کمی نہیں ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا "دل" صرف ایک نام پہ ہی دھڑکتا ہے۔ اس میں خانے نہیں ہیں اور یہ مجھے کسی اور طرف دیکھنے ہی نہیں دیتا..." وہ اس کے ہاتھوں پہ اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے بولی۔

"میرا دل کہتا ہے کہ تم اک پل سے ساعت تک' ساعت سے لمحے تک اور لمحے سے ہر وقت تک میرے ساتھ رہو... میری آنکھوں کے سامنے۔"

"زر! میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ ہر وقت' ہر لمحہ' ہر ساعت' مگر میں اپنی ذمہ داریوں سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔" وہ کس "ذمہ داری" کی بات کر رہا تھا۔ زر اچھی طرح جانتی تھی۔

اس نے اپنے ہاتھ چھڑائے۔

"تمہارے دل میں زرمینے کے نام کا خانہ ہے نا!" اس نے اچانک پوچھا۔

مجتبیٰ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا تھا۔

"ہاں ہے..." پھر اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"ہاں ہے..." زیرِ لب دہراتے ہوئے اس نے مجتبیٰ کی آنکھوں کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس کا ہی عکس تھا' مگر اسے وہ عکس نظر ہی نہیں آیا تھا کیونکہ وہ دو لفظ... لفظ نہیں تھے کوئی منتر تھا جو اسے جلا کر بھسم کرنا شروع ہو گیا تھا۔

"ہم جو پختون ہوتے ہیں نا زر... شاعری' کتابوں اور جذبات کی حد تک تو عشق و عاشقی کو بہت سراہتے ہیں' لیکن جہاں بات آتی ہے حقیقی زندگی کی تو ہمارے عاشقوں کو اپنی جان دینی پڑتی ہے' کوئی نئی فکشن تخلیق کرنے کے لیے۔ تم شکر کرو زر... مجتبیٰ کو اپنی جان نہیں دینی پڑی۔

تمہیں کیا معلوم کہ کس کس طرح سے چیزوں کو ہینڈل کرنا پڑتا ہے۔"

☼ ☼ ☼

اور واقعی اس معاملے کو بڑی سیاست سے ہینڈل کر گیا تھا۔

سردار اجمل کے پاس زیادہ آپشنز نہیں تھے۔ وہ مجتبیٰ کو روک سکتے تھے۔

وہ افشین ملک کو منع کر سکتے تھے۔

یا پھر وہ نعیم خان سے بات کرتے۔

مجتبیٰ ماننے والا نہیں تھا۔ افشین ملک کو یوں راست روکنا انہیں مناسب نہیں لگتا تھا اور نعیم خان... اس سے بات کرنے کا مطلب تھا کہ ان کے ووٹرز جن کا تعلق ان کے بھائی کے علاقے سے تھا ان سے سردار صاحب کو ہاتھ دھونے پڑتے۔ مطلب ان کا ووٹ بینک بری طرح سے متاثر ہوتا۔ نعیم خان ان کی پارٹی کا ستون تھا۔ وہ کیسے اسے گرنے دیتے' نعیم خان کی بیٹی پہ سوکن لا رہا تھا...

یہ بات وہ اسے کیسے سمجھاتے... بہرحال اس مسئلے کا حل بھی تھا ان کے پاس اور یہی تو سیاست ہے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

اور یہ بیچ کی راہ سیاست کا مشہور زمانہ طریقہ تھا جسے "ڈیل" کہتے ہیں۔

اور یہ "ڈیل" بھی کس کے ساتھ؟

نعیم خان۔ زرمینے کے باپ کے ساتھ۔

انہوں نے مجتبیٰ کی شادی کے بدلے نعیم خان کے بیٹے سخاوت خان کو منسٹری دلانے کا وعدہ کیا تھا۔

سخاوت نعیم خان کا وہ بیٹا تھا جو ابھی تک سیاست میں اس طرح سے کامیاب نہیں تھا جس طرح ان کے باقی بیٹے کامیاب تھے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ابھی تو کوئی سیٹ خالی نہیں ہے اور الیکشن میں تو کافی ٹائم پڑا ہوا ہے۔" نعیم خان حیرت سے بولے۔

"سیٹ خالی نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ سیٹ خالی ہو بھی نہیں سکتی۔ آج کل جعلی ڈگریوں کا بہت شور ہے۔"

وہ خشک میووں کی ٹرے نعیم خان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ نعیم خان نے کاجو اٹھا لیے تھے' وہ سوچ رہے تھے کہ کس کی ڈگری جعلی تھی ان کی پارٹی میں اور یکدم ان کے دماغ میں ایک جھماکا ہوا تھا۔

"زبیر... زبیر بلوچ۔" بے ساختہ انہوں نے کہا تھا۔

"ٹھیک پہنچے آپ...!" اجمل خان کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

"تم اس کے خلاف انکوائری شروع کراؤ گے اجمل؟ وہ کافی اسٹرانگ ممبر ہے ہماری پارٹی کا۔"

"اس کے خلاف ابھی تک انکوائری شروع نہیں ہوئی تو اس میں بھی میرا ہی ہاتھ ہے اور اگر ہو گی تو تب بھی یہ کام میں ہی کروں گا مجتبیٰ کی وجہ سے مجھے یہ اسٹیپ لینا پڑ رہا ہے وہ اڑا ہوا ہے اپنی ضد پر... زبیر کی ڈگری جعلی نکلے گی تو اس سیٹ پر ہم سخاوت کو کھڑا کر دیں گے۔ ایک دفعہ وہ ضمنی الیکشن جیت کر ایم این اے' ایم پی اے بن جائے پھر اسے منسٹری دلانا میرا کام ہے۔" اجمل خان نے تفصیل سے سمجھایا تھا۔

"تم اپنے بیٹے کے سر سے یہ عشق کا بھوت نہیں اتار سکتے۔"

"یہ چار دن کا ایسا بخار ہے اجمل خان جسے اترنا ہی ہے۔ تم دیکھنا یہ شادی زیادہ عرصہ نہیں چلے گی۔" نعیم خان نے قہقہہ لگایا تھا۔

ان دونوں کی ڈیل "ڈن" ہو چکی تھی۔

نعیم خان اب مجتبیٰ کو ایک کیا دو اور شادیوں کی اجازت بھی دے سکتے تھے۔ ان کے خاندان کے نام ایک اور منسٹری جو لگنے والی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کہاں جا رہے ہو مجتبیٰ؟" آنکھیں کھلنے پر اس نے مجتبیٰ کو ڈریسنگ کے سامنے کھڑا پایا تھا۔

"اوہ... اٹھ گئیں تم!" وہ مڑا۔

"ہاں!" وہ کھلے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے بیڈ سے اتری۔

"چلو تم فریش ہو جاؤ۔ پھر ناشتا ساتھ کرتے ہیں۔" اس نے زر کے سوال کو ٹالتے ہوئے کہا۔

"تم کہاں جا رہے ہو مجتبیٰ؟" اب کے زر نے الفاظ ذرا چبا چبا کر ادا کیے تھے۔ مجتبیٰ نے گہرا سانس بھرا۔

"بابا جان آئے ہوئے ہیں۔ کچھ میٹنگز اٹینڈ کرنی ہیں ان کے ساتھ۔"

"ابھی تو تم آئے ہو کوئٹہ سے... واپسی کب ہو گی؟"

"رات تک آ جاؤں گا۔" اس نے زر کو آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسی لیے میں نے کہا تھا کہ " I hate politicians " (مجھے سیاست دانوں سے نفرت ہے) وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

مجتبیٰ ہنس پڑا۔

"پھر تو مجھے یہاں بالکل نہیں رکنا چاہیے۔"

"تم!" وہ دانت پیس کر رہ گئی۔

"اوکے! صبح صبح موڈ خراب مت کرو اور اس طرح سے بی آف کرو کہ میں سارا دن فریش رہوں۔"
"نہیں کرتی۔" بڑی ادا سے جواب آیا۔
"اوہ! نو پرابلم۔۔۔ ہم خود کر لیتے ہیں۔" اس نے کہتے ہوئے زر کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا۔
زر کو ہلکا سا جھٹکا لگا اور اس کے بندھے ہوئے بال کھل گئے تھے۔
"تم کچھ زیادہ ہی نہیں پھیل رہے مجتبیٰ خان!" دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پہ رکھ کر اس نے مجتبیٰ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
"اس "پھیلنے" کا قانونی سرٹیفکیٹ لے رکھا ہے ہم نے محترمہ! کوئی اعتراض؟"
"یس!" ایک ابرو اچکا کر زر نے جواب دیا تھا۔
"اوبجیکشن رد کیا جاتا ہے۔" اس نے زر کے دونوں ہاتھ کندھوں سے ہٹاتے ہوئے اسے ساتھ لگایا۔ وہ کھل کر ہنسی تھی۔
وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر ہلکا سا مسکرایا۔
"یہ جو تمہاری ہنسی ہے نا زر۔۔۔ جو تمہاری آنکھوں سے چھلکتی ہے اس سے بڑھ کر قیمتی چیز اور کیا ہوگی؟"

زر نے مجتبیٰ کی آواز سنی تھی۔
اور اس نے آنکھیں بند کر کے اس کے کندھے پر سر رکھا تھا۔
"سکون۔۔۔ جو مجھے تمہارے ساتھ سے ملتا ہے مجتبیٰ! میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا؟"
کچھ لمحوں بعد مجتبیٰ نے اس کی آواز سنی تھی۔
"مجھے جانا ہے زر!" تھوڑی دیر بعد وہ بولا۔
زر کے منہ کے زاویے بگڑے تھے۔
"کچھ چاہیے؟" والٹ پاکٹ میں رکھتے ہوئے اچانک اس نے پوچھا۔
"نہیں۔"
"یہ اے ٹی ایم اور کریڈٹ کارڈ رکھ لو شاید ضرورت پڑ جائے۔" وہ اپنے والٹ سے کارڈز نکالتے ہوئے بولا۔

"تم آج شام کو ہی واپس آؤ گے نا؟" زر کے [illegible] پوچھنے پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔
"ہاں! لیکن کیا پتا آپ کا دل دنیا خریدنے پہ [illegible] تو۔"
"دنیا چھوڑو۔ اپنی بات کرو۔ تیار ہو چکے [illegible] لیے۔"
"ارے میم!" وہ حیران ہوا۔
"آپ کو یہاں sold کا ٹیگ لگا نظر نہیں [illegible] کیا؟" دل پہ ہاتھ رکھ کر وہ تھوڑا سا خم ہوا۔
زر نے گھور کر اسے دیکھا۔
"باتوں میں کوئی کب جیتا ہے تم سے۔" وہ دونوں ہاتھوں کے بل بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
مجتبیٰ نے آئینے میں سے اسے دیکھا اور ہنس دیا۔
وہ اب پرفیوم کا اسپرے کر رہا تھا۔
"اوکے! خیال رکھنا اپنا۔" وہ اس کا گال تھپتھپا کر باہر نکل گیا۔ سارے کمرے میں پوائزن کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔
بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بناتے ہوئے اس کی نظر بیڈ پہ پڑے کارڈز پہ پڑی تھی۔ مجتبیٰ نے یہ جاننے کے باوجود کہ اس کے پاس اچھا خاصا بیلنس موجود ہے پھر بھی یہ کارڈز نہیں اٹھائے تھے۔
"تم کب سمجھو گے مجتبیٰ خان کہ تمہارا پیسہ میری ضرورت پوری نہیں کر سکتا۔" کارڈز اٹھاتے ہوئے وہ ذرا ناگواری سے بڑبڑائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میم! زبیر بلوچ صاحب آئے ہیں۔"
افشین ملک نائلہ کی اس اطلاع پر چونکی تھیں۔ زبیر بلوچ کی ڈگری جعلی ثابت ہوئی تھی اور وہ آج کل بہت جارحانہ بیان بازی پہ اترا ہوا تھا۔ ایسے میں ان سے ملاقات۔۔۔؟
"بھیجو اندر۔" ایک گہرا سانس بھر کر انہوں نے نائلہ سے کہا۔
"آئیے۔ آئیے زبیر صاحب۔۔۔!" اپنی سیٹ سے کھڑے ہو کر افشین نے خوش اخلاقی سے کہتے ہوئے زبیر بلوچ سے ہاتھ ملایا۔
"تشریف رکھیے۔" آفس میں ایک سائیڈ پہ رکھے صوفوں کی طرف لے جا کر انہوں نے کہا۔
"کیسی ہیں آپ محترمہ؟"
"اللہ کا شکر ہے آپ سنائیے بلوچ صاحب۔۔۔"
اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھے انٹرکام کا ریسور اٹھایا۔
"اچھی سی ریفریشمنٹ بھیجو۔" آرڈر کر کے وہ بلوچ کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔
"کیا بات ہے بلوچ صاحب! آپ کچھ ناراض سے لگ رہے ہیں۔" افشین ملک مسکراتے ہوئے شگفتگی سے بولیں۔
"ابھی تو میں ناراض ہو رہا ہوں نا۔۔۔ محترمہ چند دن گزرنے دیں۔۔۔ پھر آپ بھی خوش نہیں رہیں گی۔" بلوچ کافی تلخ ہو رہا تھا۔ افشین ملک نے چونکے بغیر اسے دیکھا۔
"وہ کیسے؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔
"وہ ایسے محترمہ کہ ابھی جو منسٹر ہر طرف ہوا ہے۔" بلوچ نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ "اس کی جگہ پہ آپ جانتی ہیں کہ کس کو ملے گی منسٹری؟" وہ آگے جھک کر افشین ملک کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔
"کسے ملے گی؟"
افشین ملک نے بھی اسی طرح سے آگے جھکتے ہوئے کہا تھا مگر فرق یہ تھا کہ وہ مسکرا رہی تھیں جبکہ بلوچ بے حد سیریس تھا۔ وہ دونوں کچھ دیر تک ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے اور پھر زبیر بلوچ سیدھا ہوا۔۔۔ ایک تمسخر اڑاتی ہوئی نظر افشین ملک پہ ڈالی۔
جیب سے سگریٹ کی ڈبیا نکالی اور لائٹر سے اسے سلگایا۔ وہ یوں پوز کر رہا تھا جیسے وہ وہاں سگریٹ پینے ہی تو آیا تھا۔
اور وہ بھول چکا تھا ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے افشین ملک کو کچھ بتانا تھا۔
افشین ملک نے بمشکل اپنے اندر ابلتے غصے جیسی کسی چیز کو دبایا اور آگے بڑھ کر کافی کا کپ اٹھا لیا جو کہ ابھی ابھی سرو کیا گیا تھا۔
وہ بھی یوں ہی پوز کر رہی تھیں کہ جیسے انہیں یہاں کافی پینے کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا۔
زبیر بلوچ نے ایک نگاہ ان پر ڈالی۔ وہ چاہتا تھا کہ افشین ملک اسے کریدیں۔۔۔ مگر وہ۔۔۔
اس نے دل ہی دل میں مسز ملک کو گالی دی تھی۔
"چھوڑیں محترمہ! منسٹری کسے ملتی ہے، کسے نہیں۔ یہ یقیناً" آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔" افشین ملک خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
"کبھی آپ نے سوچا ہے کہ آپ کا فیوچر اس پارٹی کے ساتھ کیا ہوگا؟ آخر کو پچھلے پچیس برس سے آپ اور آپ کے بھائی اس پارٹی کی بے لوث خدمت کر رہے ہیں اور ان پچیس برسوں میں کبھی کوئی قابل ذکر وزارت نہیں ملی آپ کو۔۔۔ یا آپ کے بھائیوں کو۔"
افشین ملک خاموش تھیں مگر اب ان کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی اور وہ تیکھی نگاہوں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھیں۔
"خیر! ابھی یقیناً" آپ نے فیوچر کے بارے میں نہیں سوچا ہوگا اور اگر جو سوچا ہوگا۔ سو اچھا ہی سوچا ہوگا لیکن۔۔۔"
وہ ذرا سا ٹھہرا اور طنزیہ مسکرایا۔
"کچھ عرصے بعد۔۔۔ جب آپ کو "فیوچر" کے بارے میں سوچنا پڑے گا تو زبیر بلوچ کے دروازے ہمیشہ آپ کے لیے کھلے رہیں گے، نا چیز کو یاد رکھیے گا محترمہ! ایسے میں آپ کا داماد بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔"
افشین ملک نے ایک گہری سانس بھری۔
اب انہیں زبیر بلوچ کا مدعا سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ پارٹی بدلنے والا تھا اور اس کے لیے وہ سردار اجمل کی پارٹی کے ممبرز کو توڑ رہا تھا۔
"اور کچھ زبیر صاحب۔۔۔؟" تیکھے انداز میں افشین

ملک نے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ نے پالیٹکس چھوڑ کر آسٹرالوجی پڑھنی شروع کر دی ہے۔ اینی ہاؤ! بہت شکریہ۔"

کھڑے ہو کر افشین ملک نے اپنا ہاتھ زبیر بلوچ کی طرف بڑھایا۔

بلوچ نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس بڑھے ہوئے ہاتھ پہ ڈالی۔

"یقیناً" بہت خوب صورت ہے۔" اس نے سوچا اور پھر بڑھ کر وہ ہاتھ تھام لیا۔

"مجھے یقین ہے اب یہ ہاتھ۔۔۔ ملانے آپ آئیں گی۔" ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے اس نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

افشین ملک نے اسے جاتے دیکھا اور زیر لب گالی ان کے منہ سے نکلی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ جب گھر سے آیا تھا تو زر سنو رہی تھی۔ اسے آج ایک انتہائی ضروری کام کرنا تھا جو وہ کافی دنوں سے کرنا چاہ رہا تھا، مگر اسے اس کام کے لیے "وقت" ہی نہیں مل رہا تھا۔

"السلام علیکم سر!" اس کا منیجر دستک دے کے اندر آیا تھا۔

"فرحان۔۔۔ ابھی نہیں۔ تھوڑی دیر بعد آنا اور ہاں مجھے کوئی کال فارورڈ مت کرنا ابھی۔ کچھ دیر کے لیے میں بزی ہوں۔" اس نے فرحان کے بولنے سے پہلے ہی اسے منع کرتے ہوئے کہا تھا۔

وہ اب اپنا سیل فون نکال رہا تھا۔

فرحان یس سر کہتے ہوئے چلا گیا۔

سیل فون نکال کر اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر اس نے کال ملائی۔

"کیسی ہو زرمینے؟" کال ملنے پہ اس نے پوچھا تھا۔

"میں۔۔۔ ٹھیک۔" اسے زرمینے کی آواز میں کچھ محسوس ہوا تھا۔

"عبدل کیسا ہے؟ مس کرتا ہے بابا کو؟"

"عبدل ٹھیک ہے اور بہت یاد کرتا ہے آپ کو۔"

"میں بھی اسے بہت مس کر رہا ہوں میں۔"

"آپ زرمینے کو مس نہیں کرتے خان!" اس نے بات کاٹ کر پوچھا گیا۔ مجتبیٰ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ زرمینے سے ایسی بات کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ ایک گہرا سانس بھر کر اس نے خود کو کمپوز کیا۔

"اتنے مشکل سوال نہیں پوچھتے زرمینے! اور نہ ہی ایسے سوال جن کے جواب سے انسان کو دکھ پہنچنے کا اندیشہ ہو۔"

نرم لہجے میں بہت آہستگی سے اس نے کہا۔

زرمینے دکھ سے ہنسی تھی۔

"انسان کو اتنا بھی شفاف نہیں ہونا چاہیے کہ دوسرے لوگ اس میں اپنا عکس دیکھ کر ہی غمگین ہو جائیں۔"

مجتبیٰ لاجواب ہوا۔

چند لمحوں کے لیے خاموشی ان کے درمیان موجود رہی تھی اور اسے ہمیشہ اسی خاموشی سے ہی تو ڈر لگتا تھا۔

"کیا خیال ہے خان! وہ جھوٹ زیادہ بہتر نہیں ہوتا جس سے اک لمحے کو ہی سہی کوئی خوش تو ہو جاتا ہے۔"

ایک اور سوال۔۔۔

زرمینے یقیناً "اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

"تم جانتی ہو زرمینے! اس جھوٹی خوشی کے پیچھے ایک سچ بھی چھپا ہوا ہوتا ہے اور وہ سچ زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے کہ یہ اک پل کی خوشی۔۔۔ یہ جھوٹی ہے۔ خدائے پاامان۔" اس نے پشتو میں کہا اور فون کاٹ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"خدائے پاامان۔"

زرمینے نے بھی کہا تھا، مگر مجتبیٰ اسے سن نہیں سکا تھا۔ وہ زرمینے کی بھیگی ہوئی آواز نہیں سن سکا تھا۔

آنسوؤں کی روانی میں تیزی آئی تھی۔

"خوب صورت میں بھی ہوں۔۔۔ خوب صورت وہ بھی ہے تو کس چیز نے مجتبیٰ کو جکڑا۔۔۔؟" گھٹنوں پہ سر رکھ کر اس نے سوچا تھا۔

"یقیناً" خوب صورتی وہ چیز نہیں تھی جس نے مجتبیٰ کو مجبور کیا تھا۔ یہ اس کا اپنا دل تھا۔"

اور پھر اس نے خود ہی۔۔۔ اپنے سوال کا جواب دیا تھا۔

"کیا زرمینے کو اسی طرح آزمائے جانا تھا۔۔۔ اور کیا آزمائش ہے کہ ایک عورت ہوتے ہوئے اس کے شوہر کے دل پہ کوئی دوسری عورت راج کرے۔۔۔ ہے کوئی چیز اس سے بڑھ کر تکلیف دہ۔۔۔ کتنا مشکل ہوتا ہے نا صبر کرنا۔" اس کی سوچوں میں بھی آنسوؤں جیسی روانی تھی۔

"کیا ہے میرے پاس؟" اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے تھے۔ "اس کی خاندانی بیوی، اس کے بیٹے کی ماں۔۔۔ بس یہ سب ہوتے ہوئے بھی خالی ہاتھ ہوں میں اور وہ۔۔۔"

شدت جذبات سے زرمینے کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"اس کا دامن تو بھرا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ جس کے ہونے سے سب کچھ ہے، وہ ہی اس کا ہے۔ کیسے کروں میں صبر؟"

بہت بے بس ہو کر وہ رو دی تھی۔

"مگر صبر کرنے والوں کے ساتھ تو اللہ ہوتا ہے۔"

اسے جیسے کچھ یاد آیا تھا۔

وہ اٹھی اور تیزی کے ساتھ کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی کھڑکی کی چوکھٹ پر دونوں ہاتھ جما کر اس نے آسمان کو دیکھا۔

"تو کیا تو میرے ساتھ ہے؟" آسمان کی طرف اٹھی پانی بھری آنکھوں نے سوال کیا تھا۔

اور وہاں خموشی تھی، سکوت تھا۔

☼ ☼ ☼

"زرمینے نے ایسے کیوں کیا؟ وہ کیوں اتنی۔۔۔"

اور اسی اتنی کے بعد وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کون سا لفظ لگائے۔ وہ الجھا ہوا تھا۔ زرمینے کا رویہ اسے الجھائے جا رہا تھا۔

اس نے منیجر کو دوبارہ اندر بلایا۔ اس کا منیجر اسے آج کے دن کا شیڈول بتا رہا تھا اور وہ وہیں زرمینے پہ اٹکا ہوا تھا۔

"مجھے کوئٹہ جانا ہو گا۔" چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے جیسے فیصلہ کیا تھا۔

وہ اگر ایک بیوی کے آنسو پونچھنے کے لیے کوئٹہ سے اسلام آباد آ سکتا تھا تو دوسری بیوی کے لیے وہ اسلام آباد سے کوئٹہ بھی جا سکتا تھا۔ کیونکہ حقوق میں وہ دونوں برابر تھیں۔

تو پھر فرق کہاں تھا؟

اگر وہ زر کے آنسو صاف کرتا تھا تو اسے ایسا کرنے پر محبت مجبور کرتی تھی۔

اور اب وہ چند دنوں میں کوئٹہ۔۔۔ جانے والا تھا۔ تو یہ احساس فرض تھا۔ جو کہ اسے کھینچ رہا تھا۔

فرق یہاں تھا۔۔۔

☼ ☼ ☼

وہ سو کر اٹھی تو اس نے غیر ارادی طور پر وہیں لیٹے لیٹے اپنے ارد گرد دیکھا۔ ارد گرد ایسا کچھ نہیں تھا جو وہ توقع کر رہی تھی۔

وہ چند لمحے اسی طرح لیٹی انتظار کرتی رہی تھی۔ مگر وہ نہیں ہو رہا تھا جس کا اسے انتظار تھا۔ جھنجھلا کر وہ اٹھ گئی تھی۔

سیدھا اٹھ کر وہ گلاس وال کے پاس آئی اور پردے ہٹا کر باہر دیکھا۔ پورچ میں مجتبیٰ کی گاڑی نہیں تھی۔ اسے صحیح معنوں میں جھٹکا لگا تھا۔ وہ وہیں شاکڈ کھڑی رہ گئی۔ یہ جھٹکا اسے مجتبیٰ کی گاڑی کی غیر موجودگی سے نہیں لگا تھا۔ یہ اسے مجتبیٰ کے آج کے دن کو بھول جانے کی وجہ سے لگا تھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟" اس کا شاک دکھ میں بدلنے لگا تھا۔ پھر اچانک اسے ایک خیال آیا تھا۔ "ممکن۔۔۔

اس نے کچھ سرپرائز پلان کر رکھا ہو۔ کچھ ایسا جو کہ بہت رومانٹک ہو۔"

مسکراتے ہوئے وہ اٹھی۔

آج کے دن کرنے کے لیے اس کے پاس بہت کچھ تھا۔

☼ ☼ ☼

ایک دفعہ پہلے اسے لگا تھا کہ جیسے سرخ رنگ زر کے علاوہ کسی اور کو سوٹ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اب وہ زر ہی تھی جو کہ گلابی کلر کی لانگ فراک میں ملبوس تھی۔

اور وہ وہیں کھڑے کھڑے مجتبیٰ نے جیسے فیصلہ کیا تھا کہ سارے رنگ جس قدر اس پہ جچتے تھے شاید ہی کسی اور پہ جچتے ہوں گے۔

وہ کافی اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ وہ گلابی کلر کا ڈریس خاصا خوبصورت اور نفاست لیے ہوئے تھا۔

فراک کے دائیں کندھے پہ امبرائیڈری اور کٹ ورک کا ایک بڑا سا پھول بنا ہوا تھا اور باقی سارا فراک سادہ تھا۔ البتہ اس کی چوڑی دار سلیوز کے سرے پہ بھی ویسی ہی امبرائیڈری اور کٹ ورک ہوا ہوا تھا۔ بالوں کا نیا اسٹائل تھا اور وہ سرخی مائل نظر آرہے تھے۔ اس کے گلے میں وہ ہی پرل کا سیٹ تھا جو کہ مجتبیٰ نے اسے دیا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر دل کشی سے مسکرائی بھی تھی۔

مجتبیٰ نے ہونٹ سکیڑ کر ستائشی انداز میں سیٹی بجائی اور مسحور اس کی طرف بڑھا تھا۔

"تمہارا کیا ارادہ تھا کہ میں وہیں کھڑے کھڑے ہی گر جاتا۔"

"وہاں کیوں۔ یہاں آکر گرتے نا۔" بکھری ہوتی مسکراہٹ کے ساتھ زر نے کہا تھا۔

وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

Beauty is like beast
It just killed

(خوب صورتی بھی ڈائن کی طرح ہوتی ہے کبھی کبھی مار ڈالتی ہے۔)

اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنے نزدیک کرتے ہوئے اس نے کہا زر شرما گئی۔

اس نے بے اختیار اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ مجتبیٰ کے ہاتھ خالی تھے۔ تو اس کا گفٹ کہاں تھا؟ الجھ کر اس نے سوچا تھا۔

"شاید میرا گفٹ کوئی ڈائمنڈ یا پلاٹینیم رنگ ہو یا ہو سکتا ہے کسی جگہ کے ٹور کا ریٹرن ٹکٹ ہو جو کہ مجتبیٰ کے کوٹ کی پاکٹ میں ہو۔" صبح سے جس مفروضے کی بنیاد پر اس نے اتنا اہتمام کیا تھا۔ ابھی بھی اس کا سلسلہ جاری تھا۔

"کہیں جا رہی ہو کیا۔" اس کی سوچوں کا سلسلہ اس سوال سے ٹوٹا تھا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ سیکنڈز میں غائب ہوئی تھی اور اس نے چونک کر مجتبیٰ کا چہرہ دیکھا تھا۔

اس کے چہرے پر ایسی کوئی بات ایسا کوئی تاثر نہیں تھا جس سے ثابت ہوتا کہ وہ مذاق کر رہا تھا۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے کسی نے یخ ٹھنڈا پانی اس پہ گرا دیا تھا۔ اسے جیسے کرنٹ لگا تھا۔

"کیا وہ پاگل تھی جو صبح سے۔" نمکین پانی اس کے گلے کو کاٹنے لگا تھا۔

"تم کھانا میرے ساتھ کھاؤ گی آفٹر ڈیٹ تم نے جہاں جانا ہے چلی جانا۔"

وہ اس کے تاثرات سے بے خبر نہیں تھا البتہ بے نیاز ضرور نظر آرہا تھا۔ ایک اور تکلیف وہ بات۔

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ڈائننگ ٹیبل پہ لے آیا۔

"ٹھیک ہے۔ اسے نہیں یاد تو۔ میں بھی نہیں بتاؤں گی۔" اس نے مجتبیٰ کے ساتھ والی کرسی سنبھالتے ہوئے سوچا۔

کھانا اس کے حلق سے نیچے نہیں اتر رہا تھا۔ اس نے ایک نظر مجتبیٰ کو دیکھا۔

وہ تو یوں کھا رہا تھا جیسے آج سے پہلے کبھی اسے کھانے کو ہی نہ ملا ہو۔ اسے یک دم تپ چڑھی تھی۔ وہ کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہوا؟" مجتبیٰ نے چونک کر پوچھا۔

"کھا لیا ہے۔" کھا جانے والے انداز میں جواب آیا۔

مجتبیٰ نے حیران ہو کر اسے جاتا دیکھا اور پھر اس کے پیچھے مجتبیٰ کی حیرت مسکراہٹ میں بدلی تھی۔

"کیا بکواس ہے۔ اتنے خاص دن کو کسی عام دن کی طرف ٹریٹ کرنا۔" بڑبڑاتے ہوئے وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔

مجتبیٰ کمرے میں آیا تو وہ شیشے کی دیوار کے سامنے خاموشی سے کھڑی تھی۔

وہ ابھی تک اسی لباس میں ملبوس تھی۔ مجتبیٰ نے پہلے چینج کیا تھا اور پھر سائیڈ ٹیبل الماری کی درازوں سے کچھ ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ ان آوازوں سے تنگ آکر زر نے مڑ کر دیکھا۔

"کیا مصیبت ہے۔ بندہ اپنے کمرے میں بھی سکون محسوس نہیں کر سکتا۔" غصے سے کہتے ہوئے وہ کمرے سے جانے کے لیے مڑی۔

"اے۔ اے۔ کہاں جا رہی ہو؟" وہ بولتا ہوا تیزی سے اس کے سامنے آیا۔

"وہیں جہاں جانے کے لیے اتنا اہتمام کیا تھا۔" مشتعل ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹ کر وہ دونوں بازو پھیلا کر بولی۔ مجتبیٰ نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"زر! میں کچھ بھی نہیں بھولا۔ ذرا سا بھی نہیں۔"

"تو اسے یاد تھا۔" زر نے شاکڈ ہو کر اسے دیکھا۔

"پھر بھی اتنا خاص دن برباد کر دیا اس نے۔"

"تمہیں لگتا ہے کہ کینڈل لائٹ ڈنر یا کسی اچھے سے ہوٹل میں کوئی گرینڈ پارٹی اس دن کو یادگار بنا سکتی تھی۔"

زر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"مگر مجھے ایسا نہیں لگتا۔ یہ میرا اور تمہارا دن ہے۔ دن لمحے وقت ایسے خاص نہیں بنتے دل کی خوشی انہیں خاص بناتی ہے۔ اور اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ چیزوں کو کیسے خاص بناتے ہیں۔"

اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے جاتے ہوئے وہ بہت نرم لہجے میں بولا۔

وہ سخت حیران تھی۔ اس عام سے حلیے میں اس وقت وہ اسے کہاں لے کر جانے والا تھا۔

وہ اسے لے کر لان میں آیا تھا۔ لان میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پہ بیٹھتے ہوئے اس نے دوسری کرسی پہ زر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

زر کو اب یہ دیکھنا تھا کہ وہ وہاں اس وقت کیسے اپنی فرسٹ ویڈنگ اینی ورسری کو یادگار بنانے والا تھا اور تب ہی اس کی نظر مجتبیٰ کے ہاتھ میں موجود ماؤتھ آرگن پہ پڑی تھی۔ تو وہ اسے ڈھونڈ رہا تھا۔

کیا کرنے لگا تھا وہ۔

چند لمحوں بعد اس نے بھدی سی ٹون سنی تھی۔ شاید وہ ابھی کوئی دھن سیٹ کر رہا تھا۔

زر نے بدمزا ہو کر آسمان کو دیکھا۔ وہ پورے چاند کی رات تھی۔ ہر سو چاندنی۔ اتنی کہ ہر چیز نقرئی دکھ رہی تھی۔

وہ رات کی خنکی محسوس کر سکتی تھی۔ مگر اس وقت یہ وہ چیز نہیں تھی جو وہ محسوس کرنا چاہتی تھی۔

ایک دفعہ پھر سے وہ تاسف کا شکار ہونے لگی تھی۔

اتنا خاص دن برباد کر دیا تھا اس نے۔

اچانک اس نے ایک بے حد سریلی سی دھن سنی تھی۔ آسمان سے نظریں ہٹا کر اس نے مجتبیٰ کو دیکھا۔ وہ ماؤتھ آرگن بجا رہا تھا۔

وہ اس کا فیورٹ سانگ تھا۔

چاندنی رات۔ آرگن پہ بجتا ہوا اس کا فیورٹ سانگ اور سامنے من پسند شخصیت۔ اسے یکدم سارے منظر میں دلچسپی پیدا ہونے لگی تھی۔

اس کے ہونٹ بے آواز حرکت کرنے لگے تھے۔

چاندنی جیسے اور بڑھی تھی۔ وہ بے حد خوب صورتی سے بجا رہا تھا۔

اور اسے بھی لگا تھا جیسے کہ وہ کسی سرکل میں گھوم رہی تھی۔

سارے منظر ایک جیسے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ الگ بات تھی کہ اسے سب مناظر میں مجتبیٰ کا چہرا ہی

نظر آرہا تھا۔

مجتبیٰ نے سر نہیں چھیڑا تھا۔ وہ کوئی جادو تھا۔

Id never lived before
your love

(تمہارے پیار سے پہلے زندگی نہیں تھی۔) وہ کتنا محو ہو کر بجا رہا تھا اور اس کی آواز سیدھی دل میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

چاند جیسے کچھ اور نزدیک آیا تھا۔

تارے یقیناً" آسمان پہ نہیں تھے۔ وہ تو وہیں تھے۔ ان دونوں کے آس پاس۔ فضا میں یک دم سکوت پھیلا تھا۔ گانا ختم ہو گیا تھا۔

مجتبیٰ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ "واقعی تمہارے پیار سے پہلے زندگی کس نے دیکھی تھی مجتبیٰ۔" چند لمحوں بعد وہ اس کے ہاتھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے نم لہجے میں بولی۔

"یہ یقیناً" کسی بھی چیز سے بڑھ کر ہے اور مجھے یہ وقت، یہ لمحہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ کیونکہ میں خوش ہوں۔۔۔ بہت خوش، ان فیکٹ میں پراؤڈ فیل کر رہی ہوں۔" اس کی آنکھیں نم تھیں اور لب مسکرا رہے تھے۔

"تم یقیناً" دنیا کی پہلی خاتون ہو جو خوشی میں بھی روتی ہے۔" مجتبیٰ نے مسکراتے ہوئے ہاتھ کے انگوٹھے سے اس کے آنسو صاف کیے۔

"نہیں، مجھے خوشی نے نہیں، تمہاری محبت نے رلایا ہے۔" وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"دنیا میں بہت سے خوش قسمت ہوں گے۔ مگر جیسی میں ہوں شرطیہ ویسا دوسرا کوئی نہیں۔" بھیگی آنکھوں کے ساتھ وہ مسکرائی تھی۔

اور پھر اسی نم لہجے میں پوچھا گیا تھا۔

"تم میرے لیے یہ دوبارہ بجاؤ گے؟"

"میں تمہارے لیے رات بھر یہ بجا سکتا ہوں۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے گہری ہوتی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

زر نے اس کے کندھے سے سر ٹکا لیا اور فضا کی خاموشی ایک دفعہ پھر آرگن کی آواز سے ٹوٹنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ عورتوں کا کام ہوتا ہے مجتبیٰ خان چوبیس گھنٹے گھر کے اندر رہنا، مرد ایسا کرنے لگے تو جانتے ہو لوگ کیا کہتے ہیں؟"

مجتبیٰ نے بے اختیار پہلو بدلا۔ وہ چند دنوں کے لیے کوئٹہ آیا ہوا تھا جب ہی بابا جان سے ملاقات ہونے پر اسے یہ بات سننے کو ملی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ان کا اشارہ کس طرف تھا۔

"میں چند روز میں اسلام آباد آنے والا ہوں اور زبیر بلوچ کے پارٹی چھوڑنے سے جو نقصان ہوا ہے، اسے میں یہ سمجھ کر برداشت کروں گا کہ میرے بیٹے نے مجھ سے فرمائش کی تھی۔ اس کی جو بھی قیمت بھرنا پڑی سو بھری ہم نے۔۔۔ مگر کچھ توقعات تم سے بھی ہیں۔"

"جی بابا جان!" اس نے سعادت مندی سے سر جھکایا۔ وہ ان کی اس بات کا مطلب بھی سمجھ گیا تھا۔

"افشین ملک سے رشتے داری کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم سیاست سے دستبردار ہو گئے ہو۔ اگر ایسا کوئی ارادہ ہے تو بتا دو۔ تاکہ ہم مینیج کر سکیں۔" وہ مسلسل اسے شرمندہ کر رہے تھے۔

"آپ کب آئیں گے اسلام آباد؟" اس نے جیسے موضوع بدلا۔

سردار صاحب نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی اور پھر اسے تفصیلات بتانے لگے تھے۔

اور مجتبیٰ نے اپنے بھنچے ہوئے اعصاب کو پرسکون ہوتے ہوئے محسوس کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کوئٹہ زرمینے کی فرسٹریشن دور کرنے گیا تھا۔ مگر جب سے وہاں سے آیا تھا، خود فرسٹریشن کا شکار ہو رہا تھا۔

سردار اجمل خان اس کے ساتھ ہی آئے تھے۔ دن رات کی میٹنگز۔۔۔ ہر طرف منسٹر اور وہ بھی ان کی پارٹی کا جعلی ڈگری کا الزام، بلوچ کا پارٹی چھوڑنا سب چیزیں جیسے ایک دوسرے میں مدغم ہو کر مشکلات کا پہاڑ

بنائے ہوئے تھیں۔

ابھی پارٹی کو یہ بھی فیصلہ کرنا تھا کہ خالی ہونے والی سیٹ پہ کس کو کھڑا کیا جائے گا۔ ایک تو وہ خود مصروف تھا۔ دوسرا اس کا رویہ زر کو بھی چڑچڑا بنا رہا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں پھنسا تھا یا پھر سردار صاحب اسے پھنسا رہے تھے۔

بہرحال جو بھی تھا، ان میٹنگز کا سلسلہ اختتام پذیر ہی تھا کہ اچانک سردار صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی۔ انہیں انجائنا کا اٹیک ہوا تھا۔

وہ اس رات گھر ہی نہیں آیا تھا اور ایمرجنسی کی وجہ سے زر کو اطلاع بھی نہیں کر سکا تھا۔ سردار صاحب کی طبیعت کی خرابی کی خبر زر کو اگلے دن نیوز چینل سے پتا چلی تھی۔

افشین ملک بھی ان دنوں ملک سے باہر تھیں۔

بہرحال اتنے مینرز تو وہ بھی جانتی تھی کہ اسے سسر کی عیادت کے لیے جانا چاہیے تھا۔

☼ ☼ ☼

سفید سوٹ میں ملبوس آنکھوں پہ سیاہ گاگلز لگائے وہ گاڑی سے اتری۔ اس کے ہاتھ میں پھولوں کا بکے تھا۔

اس نے آدھے سر پہ دوپٹا اوڑھ رکھا تھا۔

ہونٹوں پہ پنک کلر کا لپ گلوس لگائے اور سفید موتیوں کا نیکلس پہنے ہوئے تھی۔ ریسیپشن پہ رک کر اس نے سردار صاحب کا روم نمبر پوچھا۔

سردار صاحب کا کمرہ فورتھ فلور پر تھا۔

فورتھ فلور پہ پہنچ کر جیسے ہی وہ کوریڈور کی طرف مڑی تھی تو یک دم جیسے ساکت ہو گئی۔

وہ کچھ ایسا ہی منظر تھا۔ مجتبیٰ کا ہاتھ زرمینے کے کندھے پہ تھا اور وہ اسے ساتھ لگائے کمرے سے باہر نکلا تھا۔ وہ وہیں پہ رک کر اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ جبکہ زرمینے بری طرح سے رو رہی تھی۔ کیسی نرمی تھی اس کے چہرے پہ۔۔۔ زر کا دل چاہا کہ وہ ہاتھ میں پکڑے پھول اس شخص کے چہرے پہ دے مارے اور وہیں سے پلٹ جائے۔

مگر نہیں۔۔۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان دونوں تک آئی۔ اس کی ہائی ہیل کی ٹک ٹک کی آواز سے مجتبیٰ نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

زر کو لگا کہ جیسے وہ چونکا تھا۔ مگر پھر بھی اس نے زرمینے کے کندھے سے ہاتھ نہیں ہٹایا تھا۔ اسے خود سے الگ نہیں کیا تھا۔ وہ یقیناً" بھول رہی تھی کہ زرمینے مجتبیٰ کی کوئی گرل فرینڈ نہیں تھی، بیوی تھی۔ اور وہ کوئی غلط کام نہیں کر رہا تھا جو یوں اس کے آنے پہ بدحواس ہو جاتا۔ البتہ زرمینے ضرور بدحواس ہوئی تھی۔ وہ ان کے پاس سے ہو کر اندر کمرے میں چلی گئی تھی۔

"السلام علیکم!" جھک کر سردار صاحب کے بیڈ کے ایک جانب پھول رکھتے ہوئے وہ بولی تھی۔

سردار صاحب نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر سر کے اشارے سے جواب دیا تھا اور تب ہی اس کی نظر مورے پہ بھی پڑی تھی۔

اس نے انہیں بھی سلام کیا۔ مگر انہوں نے ناگواری سے منہ موڑ لیا۔

زر کو خود پر قابو پانے میں وقت لگا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"بہتر ہوں۔" اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے جواب دیا تھا۔

مجتبیٰ ابھی تک اندر نہیں آیا تھا۔

"مسز ملک کیا ملک سے باہر ہیں؟"

"جی ہاں۔۔۔ پرائیویٹ ٹور ہے ان کا، ورنہ ضرور آتیں۔" مورے نے پشتو میں تیز تیز بولنا شروع کر دیا تھا۔ زر نے چونک کر انہیں دیکھا۔

سردار صاحب کے چہرے پہ غصے کے تاثرات نظر آ رہے تھے اور وہ بھی جواباً" پشتو میں انہیں کچھ کہہ رہے تھے۔

زر معذرت کرتے ہوئے اٹھ گئی۔ وہ جب کمرے سے باہر نکلی تو مجتبیٰ وہاں تھا۔ نہ زرمینے۔ ایک اور شاک۔

وہ ایک پل کو ساکت رہ گئی اور پھر تیز تیز چلتے ہوئے وہ وہاں سے نکل آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

مسز ملک گئیں تو پرائیویٹ دورے پہ تھیں، مگر دراصل وہ زبیر بلوچ سے ملاقات کرنے گئی تھیں۔

سخاوت خان نہ صرف الیکشن جیت چکا تھا، بلکہ اس کا نام وزارت کے لیے بھی پرپوز کردیا گیا تھا۔

مسز ملک کو پہلے ہی اس بات کی بھنک پڑ چکی تھی۔ وہ صرف انتظار میں تھیں۔ وہ واقعی وزارت کی حق دار تھیں اور اس زیادتی نے جیسے انہیں ــــ آتش فشاں پہاڑ بنا دیا تھا۔

زبیر بلوچ نے ٹھیک کہا تھا۔ انہیں واقعی اس سے ہاتھ ملانے جانا پڑا تھا۔ دبئی یا اس جیسا دوسرا کوئی ملک ہوتا تو پاکستانی میڈیا سے یہ ملاقات چھپی نہیں رہتی، مگر یہ ملاقات ساؤتھ افریقہ میں ارینج کی گئی تھی۔ اسی لیے ملک میں کسی کو پتا تک نہیں چلا تھا۔

وہ کیا کرنے والی تھیں۔ یہ بات وہ خود جانتی تھیں یا پھر سردار جمال صاحب۔

کیونکہ یہ ان کے پلان کا پارٹ بی تھا اور اگر یہ بھی اسی طرح سے کامیاب ہوجاتا جس طرح سے پارٹ اے کامیاب ہوا تھا تو پھر واقعی ان کا کہا سچ ثابت ہونے والا تھا۔

مجتبیٰ اور زر کی شادی حقیقت میں چار دن کی ثابت ہونے والی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کے کمرے کے دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔ یہ انداز سیما گل کا نہیں تھا۔ وہ حیران ہوئی۔ رات کو اس وقت کون آسکتا تھا۔ اس کے دروازے پہ۔

اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔

اور۔۔۔

اسے سمجھنے میں ایک سیکنڈ کی تاخیر بھی نہیں لگی تھی کہ اس شخص کو رات کے اس وقت وہاں پہ بلانے والا کون تھا؟

"سیما گل؟" اس نے غصے سے مجتبیٰ کے پیچھے کھڑی سیما گل کو دیکھا۔ "صبر نہیں ہوا تم سے۔۔۔ ایک دن کھانا نہ کھانے سے کوئی مرتا نہیں۔" وہ حلق کے بل چلائی۔

مجتبیٰ جانتا تھا یہ وہ غصہ تھا جس کی حق دار سیما نہیں وہ تھا۔

"ارے ارے۔ اسے کیوں ڈانٹ رہی ہو؟" اس نے اندر آکر پیچھے سے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

زر نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی تھی۔

مجتبیٰ نے دونوں ہاتھ اوپر کرکے ایک گہرا سانس بھرا تھا۔ وہ اس کے پیچھے نہیں گیا تھا۔

اس نے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل میں سے سلیپنگ پلز نکالی تھیں اور پھر انہیں لے کر کچن میں گیا تھا۔ جوس کا پیکٹ کھول کر اسے گلاس میں انڈیلا تھا اور پھر ان پلز میں سے چند کو اس جوس میں مکس کیا تھا۔ وہ مشروب کا گلاس ہاتھوں میں لیے بالکونی میں آیا تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق وہ رو رہی تھی اور وہ بھی بری طرح سے۔

"تمہیں لگتا ہے کہ اس وقت تمہیں دیکھ کر مجھے زرمینے کو دھکا دے کر خود سے الگ کردینا چاہیے تھا؟ میں تم سے ملا نہیں، تمہیں کال نہیں کی، کیا یہ باتیں اتنی امپورٹنٹ ہیں جس کے لیے تم یہاں بیٹھ کر اپنے آنسو بہاؤ؟"

"تمہیں لگتا ہے کہ ان سب باتوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔" وہ مشتعل ہوکر چلائی۔

"اہمیت تو تب ہوتی جب ان باتوں سے اس تعلق میں فرق آتا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔" وہ بولا تو اس کا لہجہ ہمیشہ کی طرح نرم تھا۔

"تمہیں ایسا کچھ محسوس ہوا کہ میری چاہ میں کمی آئی ہو؟ تمہاری حیثیت میں کمی آئی ہو؟ اور اگر ایسا ہوتا تو پھر یہاں میں۔۔۔ اس وقت موجود نہ ہوتا۔"

زر کے پاس جو شکایتوں کا انبار تھا وہ دھواں بن کر تحلیل ہوا تھا۔

"تو تم مجھے یہ بتانے آئے ہو کہ تمہیں میری پروا ہے؟" ہنم لہجہ، مگر تنک کر پوچھا گیا تھا۔

"نہیں ہے۔" اس نے مسکرا کر جھک کر اس کے کان میں ہلکے سے کہا تھا۔

ضروری نہیں کہ ہر "نہیں" کا مطلب انکار ہی ہوتا ہو۔ کچھ ایسے بھی لفظ ہوتے ہیں جنہیں کچھ خاص لوگ ادا کرتے ہی تو اس کا مطلب ہاں ہی ہوتا ہے۔

"یہ جوس پیو۔" اس نے بڑے رعب سے کہتے ہوئے اس کی طرف جوس بڑھایا۔

"نہیں۔۔۔"

"کوئی آرگومنٹ نہیں۔" گلاس منہ سے لگاتے ہوئے وہ مسکرایا۔

"میں ہرٹ ہوئی تھی مجتبیٰ! تم نے میری طرف دیکھا تک نہیں تھا۔"

وہ دونوں ٹانگیں اوپر کرکے کرسی پہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے بازوؤں کو ٹانگوں کے گرد لپیٹا ہوا تھا اور اس کے ایک ہاتھ میں مشروب کا خالی گلاس تھا۔

اس کے لہجے میں جو واحد چیز محسوس کی جاسکتی تھی۔ وہ بھیگی ہوئی اداسی تھی۔

"کیا فرق پڑتا ہے زر۔۔۔ تم جانتی ہو کہ تمہارے بعد ہر عورت کا کیا مقام ہے۔"

"پتا نہیں مجھے کیا ہوجاتا ہے۔ بس برداشت نہیں ہوتا۔" اس نے مشروب کا خالی گلاس مجتبیٰ کو پکڑایا تھا۔

"زندگی میں کوئی نہ کوئی، کہیں نہ کہیں، کسی حد تک کمپرومائز تو کرنا پڑتا ہے، سب چیزیں آپ کی مرضی کے مطابق تو نہیں ہوتیں۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھاما تھا۔ وہ بھاری ہو رہا تھا۔

"مگر تم نے مجھے دیکھا کیوں نہیں، تمہیں اندر تو آنا چاہیے تھا نا۔"

اس کی آواز لڑکھڑانے لگی تھی۔ مجتبیٰ خاموش رہا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر زر کو کرسی سے اٹھایا اور سہارا دے کر سیڑھیوں سے نیچے اتارنے لگا۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے۔۔۔ جیسے۔۔۔" گولیوں کے زیر اثر وہ اپنی ہی اگلی بات جو اسے کہنی تھی بھول رہی تھی۔

"میں۔۔۔ را۔۔۔ دل۔۔۔ کر۔۔۔ تا۔۔۔ ہے میں۔۔۔ زر۔۔۔ مینے۔۔۔ میں۔۔۔ زر۔۔۔ مینے۔۔۔ زر۔۔۔ مینے۔" مجتبیٰ نے اسے بیڈ پہ لٹا کر کمبل برابر کیا تھا۔

وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ "میں اپنے باپ کو اسپتال میں چھوڑ کر آرہا ہوں۔ میری ماں اور بیوی ہوٹل میں اکیلی ہیں اور میں یہاں پاگلوں کی طرح تمہارے چہرے کو دیکھ رہا ہوں اور تم کہتی ہو کہ مجھے تمہاری پروا نہیں ہے۔" وہ سر جھٹک کر ہنسا تھا۔

"یا تو پاگل میں ہوں، یا پھر تم۔۔۔ جسے ابھی تک سمجھ ہی نہیں آیا مجتبیٰ نے دوسری شادی کیوں کی؟"

ایک گہرا سانس لے کر وہ وہاں سے ہٹا تھا۔

"سیما گل!" باہر نکل کر کمرے کا دروازہ آہستگی سے بند کرتے ہوئے اس نے آواز دی تھی۔

"دیکھو! بی بی! جب صبح اٹھے تو اسے یہ مت بتانا کہ میں رات کو ہی چلا گیا تھا۔ کہنا کہ میں صبح گیا ہوں اور یہ بات سب کو سمجھا دینا۔۔۔ اوکے۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

کبھی کبھی سیدھی بات کو سمجھانے کے لیے بندے کو الٹا ہونا پڑتا ہے۔ اب اگر وہ یہ سب نہ کرتا تو زر یقیناً ساری رات روتی رہتی۔

اب وہ رونے کے بجائے سو رہی تھی۔ یہ اس کے لیے زیادہ اطمینان بخش بات تھی۔

☼ ☼ ☼

سردار صاحب کو دو دن بعد ڈسچارج کردیا گیا تھا۔ وہ فوراً کوئٹہ جانا چاہتے تھے۔ مگر مجتبیٰ نے انہیں منع کردیا تھا۔ سو وہ ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔

مورے اور زرمینے کو وہ واپس بھجوا چکا تھا۔ سردار صاحب کی صحت کے پیش نظر جو میٹنگز انہیں اٹینڈ کرنا تھیں۔ وہ بھی اب مجتبیٰ کر رہا تھا۔

میٹنگز۔۔۔ سیاسی کشیدہ صورت حال۔۔۔ سردار

صاحب کی صحت اور پھر زر' وہ ان سب کے درمیان جیسے شٹل کاک بن گیا تھا۔

اسے بریک اپ چاہیے تھا۔ مگر وہ دور' دور تک کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

ان ہی دنوں تقریباً" ایک ہفتے کے ریسٹ کے بعد سردار صاحب نے اسے واپسی کا ٹکٹ کروانے کو کہا تھا۔ ظاہر ہے وہ انہیں اکیلا نہیں بھیج سکتا تھا۔

اس دن وہ غیر متوقع طور پر گھر آیا تھا۔

زر اسے دیکھ کر بے تحاشا خوش ہوئی تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے وہ اتنی ہی پریشان ہو گئی تھی۔

"تم ٹھیک تو ہو؟" اس کے گال پہ ہاتھ رکھ کر اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"تھکاوٹ ہے بس!" وہ کوٹ لاؤنج میں رکھے صوفے پہ پھینکتے ہوئے اسی صوفے پہ نیم دراز ہو گیا۔

"ایک اچھی سی کافی چاہیے اور سیما گل سے میرا سوٹ کیس تیار کروا دو۔"

"سوٹ کیس؟" زر نے جیسے کچھ اور سنا ہی نہیں تھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"پلیز۔ میں اس وقت کوئی بھی وضاحت دینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" اس نے بے زاری سے زر کو ٹوکا۔

زر خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ کافی لے کر آئی تو مجتبیٰ نے اسے بھی پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس نے کافی سینٹرل ٹیبل پہ رکھی اور خود اس کے پاس بیٹھ گئی۔

وہ دونوں ہی خاموش تھے۔ مجتبیٰ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ اسے اس وقت صرف سکون چاہیے تھا اور اس کے سینے پہ دھرا اس کے ہاتھ کا لمس اسے اس وقت سکون ہی تو پہنچا رہا تھا۔ اس کا سر بوجھل ہونے لگا تھا۔ زر اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ بے اختیار وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔ ہمیشہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ جن جذبات کا شکار ہوتی تھی' وہ خود اس کی سمجھ سے بھی باہر تھا۔

"مجتبیٰ! کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" چند لمحوں بعد اس نے آہستہ سے کہا۔

مجتبیٰ کو اس کی آواز اتنی دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی کہ وہ اس کے الفاظ بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔

"صاحب کا سوٹ کیس۔۔۔" سیما گل بولتی ہوئی اندر آئی۔

زر نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے واپس جانے کا اشارہ بھی کیا۔ وہ جانتی تھی کہ مجتبیٰ کو اپنے بابا کے ساتھ جانا تھا مگر وہ۔۔۔ وہ خود غرض عورت تھی جسے اپنے سوا کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا۔

مجتبیٰ شاید فلائٹ نہ لے پاتا۔ اگر بروقت اسے ذکا کی کال نہ آتی۔

وہ بری طرح چونک کر اٹھ گیا تھا۔ ذکا نے اسے سیدھا ایر پورٹ آنے کو کہا تھا اور اگلے پندرہ منٹ میں وہ گھر سے جا چکا تھا۔ زر ہمیشہ کی طرح اسے جاتا دیکھتی رہی تھی۔ وہ اسے سی آف کر کے واپس لاؤنج میں آئی تھی۔ اس کی کافی وہیں پہ پڑی تھی۔ زر کو اس کافی کو دیکھ کر اتنا غصہ آیا تھا کہ اس نے ہاتھ مار کر کافی کے کپ کو گرا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

افیشن ملک نے کوئی بھی فیصلہ لینے سے پہلے ایک دفعہ سردار صاحب سے ملاقات کرنا بہتر جانا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ واضح طور پر پارٹی چھوڑنے کی بات پہ سردار صاحب کا رد عمل کیا ہو گا۔ کیا وہ رشتے داری کا لحاظ کریں گے؟ ویسے بھی ان کی علالت کے وقت وہ پاکستان میں نہیں تھیں' سو بہانہ اچھا تھا۔

ایسے میں کوئٹہ جانا بہت مناسب تھا' جبکہ مجتبیٰ ابھی وہاں تھا۔

"السلام علیکم!" دوپہر کے کھانے کے بعد ان کی ملاقات سردار صاحب سے ہوئی۔ یہ مکمل طور پر گھریلو ملاقات تھی۔

"وعلیکم السلام محترمہ! تشریف رکھیے۔"

"اب تو کافی بہتر طبیعت محسوس ہو رہی ہے آپ کی۔"

"ہوں' بہت بہتر ہے۔"

"ٹور کیسا رہا آپ کا؟" قہوے کی پیالی اٹھاتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"یہ تو اس ملاقات کے بعد ہی پتا چلے گا۔" قہوے کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے افیشن ملک نے بے حد مسکرا کر کہا۔

"میں جانتا ہوں محترمہ! آپ کو شکایت ہے۔"

"شکایت نہیں' شکایات سردار صاحب!" انہوں نے بات کاٹی تھی۔

"آپ کو نہیں لگتا اس وزارت پر میرا حق تھا جو کہ آپ نے اپنے بھتیجے کے نام کر دی' جبکہ اسے سیاست میں آئے جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے۔" ان کا طنزیہ لہجہ اشتعال میں بدلا۔

"تحمل سے بی بی۔۔۔ عورتوں کی اونچی آواز سننے کا عادی نہیں ہوں میں۔ یہ بات۔۔۔ جس پہ آپ شکوہ کرنے اسلام آباد سے کوئٹہ تشریف لائی ہیں۔ اس وقت معلوم نہیں تھی آپ کو' جب آپ اپنی بیٹی کی شادی مجتبیٰ سے کر رہی تھیں۔ یوں سمجھیے میں نے دوسری بہو اور آپ نے اکلوتے داماد کا تاوان بھرا ہے۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔"

افیشن کو سردار صاحب سے اتنی صاف گوئی کی توقع نہیں تھی۔

"تاوان نہیں۔۔۔ سزا کہیے۔۔۔ سردار صاحب!"

"آپ کی سمجھ پہ پابندی نہیں' جیسے مرضی سمجھیے اس بات کو۔" انہوں نے بے حد سرسری سے انداز میں کہا تھا۔

تھوڑی دیر کے لیے وہ دونوں خاموش ہوئے تھے۔

"آپ کے اس فیصلے کی وجہ سے میں کسی بھی انتہا پہ جا سکتی ہوں سردار صاحب!"

چند لمحوں بعد افیشن نے تیکھے انداز میں کہا۔

"آپ کے کسی فیصلے پہ بھی پابندی نہیں ہے۔ جیسے آپ مناسب سمجھیں۔"

ان کا انداز پہلے سے بھی زیادہ لاپروائی لیے ہوئے تھا۔ افیشن کو بے حد سبکی محسوس ہوئی۔ وہ چند لمحے انہیں دیکھتی رہیں' پھر اٹھ کر وہاں سے چلی گئیں۔

مجتبیٰ وہاں موجود نہیں تھا۔ کیونکہ سردار صاحب نے اسے منع کر دیا تھا۔ وہ افیشن ملک کو اتنا غصہ دلانا چاہتے تھے کہ وہ خود ہی پارٹی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیں۔ اور وہ کس قدر کامیاب رہے تھے۔ یہ بات انحصار کرتی تھی کہ افیشن کتنے روز بعد پریس کانفرنس منعقد کرتی ہیں۔

☼ ☼ ☼

"تمہارے جانے کے بعد سب کچھ کتنا بے معنی' کتنا خالی سا لگتا ہے۔" وہ رات کے وقت لان میں ننگے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
درد موسم	راحت جبیں	750/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
مین سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ - 37 اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 32216361

پاؤں چکر لگا رہی تھی۔

"پھول کھلتے ہیں تو کھلا کریں' چاند نکلتا ہے تو نکلا کرے' کسے پروا ہے۔ اس ایک بات کا انتظار کہ آج نکلنے والا سورج جلدی ڈوبے' تاکہ کل کا سورج نکل سکے اور کل کے بعد پرسوں کا اور۔۔۔ تم جب میرے ساتھ ہوتے ہو تو لگتا ہے کہ جیسے میرے قدم ہوا پہ ہوں اور وہ ہوا مجھے آسمان کی بلندیوں تک پہنچا آئی ہو۔"

اس نے نظریں اٹھا کر آسمان کو دیکھا تھا۔ "جب نہیں ہوتے۔" بے اختیار اس نے گہرا سانس بھرا تو یوں لگتا ہے کہ جیسے میرے قدم پانی پر ہو۔ جہاں اوپر جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' بس خوف ہوتا ہے ڈوبنے کا۔"

وہ تھک کر وہیں لان میں گھاس پہ بیٹھ گئی۔

"محبت نے مجھے کیا بنا دیا ہے۔" اس نے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر سوچا۔ "ایک مڈل کلاس عورت۔"

ایلیٹ کلاس کی عورت محبت کرنے سے پہلے نفع نقصان کا حساب کرتی ہے۔ جبکہ مڈل کلاس عورت محبت کرنے پہلے آنکھیں بند کر لیتی ہے جیسے وہ اندھی ہو۔

کچا گھڑا اٹھاتے وقت بھی سوہنی اندھی تھی اور تب بھی جب وہ دریا میں اتری تھی۔ بے وقوف کو پتا ہی نہیں چلا کہ دریا چڑھا ہوا تھا۔ زر بھی کچھ ایسی ہی بے خوف تھی مگر تھوڑا سا فرق تھا اور وہ یہ تھا کہ۔۔۔

محبت میں وہ مر تو سکتی تھی مگر مارنے سے بھی وہ ڈرتی نہیں تھی۔۔۔

دراصل وہ بے وقوف نہیں۔۔۔ جنونی تھی۔

وہ لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ یک دم زر بولتے ہوئے لاؤنج میں آئی۔

مجتبیٰ نے فوراً" چینل بدلا۔

"تم نے چینل کیوں بدل دیا؟" وہ حیران ہوئی۔

"ایسے ہی' تم کچھ دیکھنا چاہو۔۔۔" اس نے ریموٹ زر کو تھمایا۔

زر نے صرف ریویو کا بٹن دبایا اور وہ نیوز چینل اس کے سامنے تھا' جہاں اس کی ماں پریس کانفرنس کر رہی تھیں۔

"زر پلیز۔۔۔" مجتبیٰ نے ریموٹ اس کے ہاتھ سے لینا چاہا تھا۔

زر پلکیں جھپکے بنا ٹی وی دیکھنے لگی۔ اس نے اپنے ہاتھ سے مجتبیٰ کا ہاتھ ہٹایا۔

افشین کا لب و لہجہ' الزامات کی بوچھاڑ' طنز و تشنیع۔

"میرے خدا!" زر کے ہاتھوں سے ریموٹ نیچے گرا اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے۔

مجتبیٰ نے ایک گہرا سانس بھر کر ریموٹ اٹھایا اور ٹی وی آف کر دیا۔

"مجتبیٰ اب کیا ہو گا؟ مما نے یہ کیا کیا؟" وہ پریشان تھی۔

"زر! یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔"

"کیسے نہیں ہے۔ وہ ماں ہیں میری اور تمہارے بابا۔۔۔ کیا وہ تمہیں اب پریشرائز نہیں کریں گے۔ ماما نے ان کی مخالف پارٹی جوائن کی ہے۔ تم دیکھ رہے تھے نا انہیں۔" اس نے خشک ہوتے ہونٹوں پہ زبان پھیری۔

"یہ اچھا نہیں ہوا۔ ناٹ گڈ۔۔۔ ناٹ گڈ۔۔۔" وہ اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔

"اس بلڈی پالیٹکس سے تمہارا یا تمہارے اس گھر کا کوئی تعلق نہیں ہے تم کیوں اتنی ان سیکیور ہو رہی ہو؟"

"اور تمہارے بابا؟"

"تم ان کی فکر نہ کرو۔"

مجتبیٰ نے کہنے کو کہہ دیا تھا مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ڈیڈی! کم از کم آپ کو مما کو سمجھانا چاہیے تھا۔" وہ ان کی اسٹڈی کی مخصوص کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا اسے خود سمجھ نہیں ہے کہ اس کی حرکتیں اس کی بیٹی کو کب اور کہاں متاثر کر سکتی ہیں۔" انہوں نے جگ میں سے پانی گلاس میں ڈال کر اسے پکڑایا۔

"نہیں منسٹری ان کی بیٹی کے گھر سے زیادہ اہم ہے؟" اس نے پانی نہیں پیا تھا۔

"جواب تکلیف دہ ہے۔" انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کندھے اچکائے۔

"ڈیڈ!" پانی کا گلاس سائیڈ پہ رکھتے ہوئے وہ زچ ہو کر بولی۔ "مجتبیٰ کور کر لے گا۔ یہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" "مگر میں شرمندگی فیل کرتی ہوں۔" انہوں نے اس کا گال تھپتھپایا۔

"تم ان باتوں کے لیے کیوں شرمندہ ہو گی جو کہ تم نے کی ہی نہیں دیٹ از ناٹ یور فالٹ۔"

"ہاں۔ یہ میری غلطی نہیں ہے' لیکن ڈیڈی! آپ جانتے ہیں کہ میری غلطی میرے گھر کو اس طرح سے ہشنہ کرتی جس طرح مما کی غلطی کر سکتی ہے۔"

"زر! بات یہ ہے کہ تمہیں ایسی باتوں۔۔۔ ایسی پریشانیوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ آفٹر آل تمہاری مما کوئی عام خاتون تو ہیں نہیں۔"

اس نے کچھ جواب نہیں دیا تھا مگر اپنی پیشانی مسلنے لگی تھی۔

"ریلیکس زر ریلیکس۔۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔" اس نے سر ہلا دیا تھا۔ سر ہلانے کے علاوہ وہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے محسوس ہو رہا تھا جب سے اس کی مما نے پارٹی چھوڑی تھی۔ مجتبیٰ اس سے دور ہوتا چلا جا رہا تھا۔ حالانکہ ایسا تھا نہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ حسب معمول مصروف تھا۔

ایک ڈیڑھ سال کافی ہوتا ہے اپنے لائف پارٹنر کو سمجھنے کے لیے مگر وہ عجیب عورت تھی اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد۔۔۔ ذرا سی بات سے وہ اپنی خود ساختہ واہمول اور شکوک و شبہات کا شکار ہونے لگتی تھی۔

ابھی بھی اس نے بڑے برے منہ کے ساتھ مجتبیٰ کو آتے دیکھا تھا۔ وہ سیل فون کان سے لگائے کسی سے بات کر رہا تھا۔

"ننگے حال دا مورے۔" (کیا حال ہے مورے) وہ زر کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔ مورے کا لفظ سن کر اس کا موڈ اور بگڑ گیا۔

"خیر دے۔" (خیریت سے ہوں) اس نے جواب دیا۔ وہ اس سے کچھ کہہ رہی تھیں جبکہ زر کو مجتبیٰ کا صرف "ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔" اور سر ہلانا نظر آ رہا تھا۔

"دا گل فراز وادہ مور؟" (گل فراز کی شادی ہے ماں) پوچھنے کے بعد وہ ایک دفعہ پھر سے بات سننے میں مصروف ہو گیا۔

"خدائے پامان"

اس نے کہا اور فون بند کر دیا تھا۔

اور زر کو سخت افسوس ہوا کہ ایک پختون سے شادی کرنے کے بعد کم از کم اسے پشتو ضرور سیکھ لینی چاہیے تھی۔

"خیریت؟"

"ہاں! کچھ نہیں بس ایسے ہی مورے کا فون تھا۔" اس نے زر کو ٹالا۔

☼ ☼ ☼

حیدر صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ انہیں دیکھنے آئی تھی۔ اس سے باتیں کرتے کرتے وہ میڈیسن کی وجہ سے سو گئے تھے۔ ایک نظر حیدر صاحب کے چہرے پر ڈالتے ہوئے وہ ان کے کمرے سے باہر آ گئی تھی۔ لاؤنج میں ہی اسے افشین ملک نظر آئی تھیں۔ وہ غالباً" چائے بنا رہی تھیں اپنے لیے۔

جب سے وہ واقعہ ہوا تھا افشین ملک سے وہ کم ہی بات چیت کرتی تھی بلکہ افشین سے اس کی ملاقات ہوئی ہی بہت کم تھی۔ وہ خاموشی سے ان کے ساتھ والے صوفے پہ جا کر بیٹھ گئی۔

"اتنی پریشان کیوں ہو؟"

"اچھا لگا سن کر کہ آپ کو بھی دوسروں کے چہرے پہ پریشانی نظر آتی ہے۔" وہ تلخ ہوئی۔

"مجتبیٰ ٹائم نہیں دے رہا آج کل کیا؟" اپنے لیے بنایا ہوا چائے کا کپ وہ اسے پکڑاتے ہوئے مسکرا کر بولی تھیں۔

"یو نو زر! تم جیسی بیویاں شوہروں کے لیے واقعی نعمت سے کم نہیں ہوتیں جنہیں مرد اپنی مرضی کے خواب دکھاتے ہیں اور پھر اپنی مرضی کی تعبیریں بھی نکلوا لیتے ہیں۔۔۔ جانتی ہو ایسا کیوں ہے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے افشین ملک کو دیکھا۔

"کیونکہ تم مکمل طور پر ایک احمق عورت ہو۔"

زر کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔ وہ بولنا نہیں چاہتی تھی مگر اسے یکدم غصہ آیا تھا۔

"مجتبیٰ کیسا مرد ہے یہ مجھے آپ کو اور آپ کو مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجتبیٰ پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جا سکے۔ہاں میں ہوں احمق اور ہر وہ عورت احمق ہوتی ہے جس کا شوہر مجتبیٰ جیسا ہو۔" وہ بہت مشتعل ہو کر بولی تھی۔

"تم جیسی عورتیں سر پہ ہاتھ رکھ کر روتی ہیں۔"

"اور آپ جیسی عورتوں کے شوہر سر پہ ہاتھ رکھ کر روتے ہیں۔"

"شٹ اپ!" افشین ملک حلق کے بل چلائیں۔ "اس طرح آنکھیں بند کر کے چلنے سے منہ کے بل گرو گی تم!"

"وہ مجھے گرنے نہیں دے گا۔" بڑے فخر سے زر نے کہا تھا۔

"ہاں! وہ تمہیں گرنے نہیں دے گا بلکہ خود گرائے گا' تب تم کیا کرو گی۔ ذرا سوچنا اس بارے میں بھی۔" وہ طنز کرنے سے باز نہیں آئی تھیں۔

زر نے جواب نہیں دیا تھا۔ اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور وہاں سے چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

رات کو بہت دیر سے مجتبیٰ کی کال آئی تھی۔ وہ اس کی غیر موجودگی میں سیما گل کو اطلاع دے کر شہر سے باہر چلا گیا تھا۔

"ابھی تک جاگ رہی ہو؟"

"ہاں! بس نیند نہیں آ رہی۔ تم کہاں ہو۔"

"آؤٹ آف سٹی۔"

"کیا کوئٹہ؟"

"نہیں۔۔۔ بس کچھ پرابلمز ایسے ہو گئے تھے مجھے جانا پڑا۔" بات کرنے کے دوران مجتبیٰ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کسی کو خاموش رہنے کا بولا تھا۔

"کب تک آؤ گے؟"

"شاید ایک ہفتہ لگ جائے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

زر نے بے ساختہ گہرا سانس بھرا۔

"اب تک تمہیں عادی ہو جانا چاہیے۔" وہ اس کے جذبات کو بہت اچھی طرح سے سمجھتا تھا۔

"ٹرائی کر رہی ہوں۔" اس کی آواز میں ایسی بے زاری تھی جیسے کسی ناپسندیدہ بات کو قبول کرنے میں ہوتی ہے۔

"اچھی بات ہے۔ سو جاؤ اب تم۔" اس نے مجتبیٰ کو کہتے سنا۔

"او کے۔ خیال رکھنا اپنا۔" زر نے فون بند کر دیا۔

مجتبیٰ چند لمحے خاموشی سے بند سیل کو دیکھتا رہا۔ بعض اوقات کسی کو تکلیف سے بچانے کے لیے مصلحتاً" جھوٹ بھی بولنے پڑتے ہیں سو اس نے بھی بولا تھا۔ ایک گہرا سانس بھر کر وہ زرمینے کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں کہو اب۔۔۔ کیا کہہ رہی تھیں تم؟"

موبائل جیب میں رکھتے ہوئے وہ زرمینے کی طرف متوجہ ہوا۔

☆ ☆ ☆

وہ چپس کھاتے ہوئے میگزین پڑھ رہی تھی۔ تب اس کے کمرے کے دروازے پہ دستک ہوئی۔

"بی بی۔۔۔ بیگم صاحبہ آئی ہیں۔"

"کون۔۔۔ مورے؟" اسے جھٹکا لگا۔ یک دم وہ سیدھی ہوئی۔

"نہیں۔۔۔ آپ کی۔۔۔"

"آ۔۔۔ہا۔۔۔ واٹ آ سرپرائز۔" وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو وہ اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

"تمہیں کیسے لگتے ہیں سرپرائزز؟" زر نے ایک نظر انہیں دیکھا اور سیما گل کو مشروب لاتے دیکھ کر خاموش رہی۔

"آپ یہاں یہ پوچھنے آئی ہیں کیا؟" اس نے گلاس افشین کو پکڑایا۔

"مجتبیٰ کہاں ہے؟" وہ ان کے بات بدلنے پر چونکی

"آؤٹ آف سٹی گیا ہے۔" وہ صوفے پہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کہاں؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بہت مسکرا کر پوچھا گیا ایک لمحے کو وہ گڑبڑائی۔

"پتا نہیں۔۔۔ میں نے نہیں پوچھا۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"اچھی بیوی کی نشانی نہیں ہے یہ۔۔۔ یا پھر یہ کہنا چاہیے کہ یہ اچھے شوہر کی نشانی نہیں ہے۔ کیوں زر۔۔۔ کون اچھا نہیں تم دونوں میں سے؟"

"ڈیڈی کیسے ہیں؟" اس نے بات پلٹی انہوں نے جواب نہیں دیا۔ وہ بس مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھیں۔

"مما واٹ؟ آپ یہاں کیا گیم کھیلنے آئی ہیں؟" وہ زچ ہوئی تھی۔

"تو ہنی! گیم کون کھیل رہا ہے؟ کس کے ساتھ کھیل رہا ہے جلد ہی کلیئر ہو جائے گا۔" وہ اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے بولیں۔

زر سمجھ نہیں سکی تھی ان کا آنا اور پھر ان کی باتیں۔ وہ بری طرح سے الجھی تھی۔

"یو نو زر! تمہارے ارد گرد مجتبیٰ نے اپنی سو کالڈ محبت کی اتنی اونچی دیواریں کھڑی کر دی ہیں کہ تمہیں کچھ نظر ہی نہیں آتا۔" وہ اس کے سامنے کھڑی تھیں۔ وہ مڑیں اور باہر نکل گئیں۔ زر ایک لمحے اسی الجھن میں گھری کھڑی رہی پھر ان کے پیچھے بھاگی۔

"یہ آپ کی سیاست نہیں مما۔۔۔ میرا گھر ہے۔ اس پالیٹکس کو مجھ سے اور میرے گھر سے دور رکھیں۔" وہ انہیں گاڑی میں بیٹھتے دیکھ کر چلائی۔ افشین ملک نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ آنکھوں پہ گاگلز چڑھائے اور ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کیا تھا۔ ان کی گاڑی گیٹ سے باہر نکلنے تک وہ کھولتی رہی۔

افشین ملک صرف یہ جاننے آئی تھیں کہ زر کو معلوم بھی ہے کہ مجتبیٰ کہاں ہے؟ اور انہیں اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"شادی کے پانچ چھ سالوں میں پہلی مرتبہ اس طرح میں آپ کے ساتھ آئی ہوں۔"

وہ بہت فریش لگ رہی تھی۔ مجتبیٰ مسکرا دیا۔

"تم پڑھی لکھی ہو خوب صورت ہو اور حیرت ہے کہ جانتی نہیں۔۔۔ تم نے کیسے کمپرومائز کیا میری دوسری شادی پہ ان فیکٹ محبت پہ۔" زرمینے ہلکا سا ہنسی تھی۔

"آپ کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہے۔ اب تو یہ زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔"

"کیا پڑھے لکھے ہونے کا مطلب ہمیشہ یہ ہی ہوتا ہے کہ انسان کمپرومائز نہ کرے۔ میرے خیال میں اگر میں شور مچاتی۔ گھر چھوڑ کر چلی جاتی۔ چیخنا چلانا یہ خاصا جاہلانہ کام ہے۔ تعلیم شعور دیتی ہے سو میں نے اسی کا استعمال کیا۔" وہ سر جھکا کر مدھم لہجے میں بول رہی تھی۔

"اپنا حق لینا بھی تو سکھاتی ہے یہ تعلیم۔"

"تو میرا کون سا حق مارا ہے آپ نے۔" اس نے

ترنت جواب دیا۔ مجتبیٰ ہنس دیا۔

"اچھا۔۔۔ اب اور کتنی شاپنگ رہ گئی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ایک ہفتہ اور لگ جائے گا۔" اس نے شرارت سے جواب دیا تھا۔

"تم مرواؤگی مجھے۔" وہ موبائل پہ بٹن دباتے ہوئے بولا۔

ایک بار پھر وہ ہنس دی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ مجتبیٰ زر کی بات کر رہا تھا۔ ابھی بھی وہ اسے ہی کال کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بی بی! یہ کوریئر سروس سے آیا ہے۔" چوکیدار اسے ایک لفافہ پکڑاتے ہوئے بولا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے ایک سرے سے لفافہ پھاڑا اندر کچھ پرنٹ آوٹ تھے۔ اس نے نظر دوڑائی۔ وہ ایک ایئرلائن کی دبئی جانے والے پسنجر کی لسٹ تھی اور اس لسٹ میں دو نام نمایاں کیے گئے تھے۔ اس نے ان دو ناموں کو دیکھا۔ اسے لگا جیسے سب کچھ تھم گیا تھا۔ ماسوائے اس کی دل کی دھڑکن کے۔۔۔ وہ ابھی بھی دھڑک رہا تھا۔

وہ دو نام۔۔۔ مجتبیٰ خان اور زرمینے مجتبیٰ کے تھے۔

ایک گہرا سانس بھر کر اس نے اپنے یک دم امڈ کر آنے والے آنسو کو روکنا چاہا تھا، مگر وہ بے اختیار تھے۔ پتا نہیں اسے یک دم اور بات بات پہ رونا کیوں آ رہا تھا اچانک اسے خیال آیا تھا۔ اسے تو مجتبیٰ کے پاکستان کے نمبر سے ہی کالز آتی تھیں تو پھر یہ۔۔۔

اس نے فوراً" اپنے سیل سے مجتبیٰ کے نمبر پہ کال کی۔ بیل جا رہی تھی۔ اس نے فوراً" سیل آف کر دیا تھا۔ وہ اس وقت مجتبیٰ سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

یہ کوئی اتنی بڑی پہیلی نہیں تھی جو وہ بوجھ نہ پاتی۔ مجتبیٰ کا سیل انٹرنیشنل رومنگ پہ تھا۔ پیپرز اس کے ہاتھ سے نیچے گر گئے۔

☼ ☼ ☼

"آپ جب گھر آئی تھیں تب مجھے نہیں بتا سکتی تھیں۔ یہ یہ گیم کھیلنا ضروری تھا کیا؟" زر افشین ملک کے آفس میں ان کے سامنے موجود تھی۔ وہ خاموش رہیں۔

"آپ تو یہ دیکھنے آئی ہوں گی کہ مجھے معلوم ہے یا نہیں۔ بہت شوق تھا نا آپ کو مجھے نیچا دکھانے کا۔۔۔"

"وہ! کم آن زر۔۔۔ ماں ہوں میں تمہاری۔ جتنا میں اس فیملی کو جانتی ہوں۔ تم نہیں جانتیں۔ مجھے تمہاری بہت پروا ہے جانی!"

"تو کیا یہ اچھا نہ ہوتا کہ آپ مجھے بے خبر رہنے دیتیں۔" اس کی آواز بھیگ رہی تھی۔

"کیوں بے خبر رہنے دیتی میں تمہیں۔ وہ کیا کر رہا ہے معلوم ہونا چاہیے تمہیں۔"

"وہ کوئی جرم نہیں کر رہا اور نہ ہی یہ غلط ہے۔ بیوی کے ساتھ گیا ہے۔ کسی گرل فرینڈ کے ساتھ نہیں گیا۔" یک دم وہ میز پہ ہاتھ مار کر اونچی آواز میں بولی تھی۔

"تو تمہیں کیوں نہیں بتایا اگر یہ اتنا ہی صحیح عمل تھا تو بتا کر جاتا نا۔ تمہارا وہ رائٹ مین تمہیں۔۔۔" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ بھی خاموش تھی۔

"ڈیڑھ سال ہو گیا تم دونوں کی شادی کو۔ ابھی تک اولاد نہیں ہوئی۔ کبھی نام لیا مجتبیٰ نے تمہارے اور اپنے بچے کا۔۔۔"

"اسے کیوں ضرورت ہو گی بچے کی۔ جبکہ اس کا پہلے سے ایک بیٹا موجود ہے۔" وہ کھٹ سے بولی۔

"اور اسے کیوں ضرورت ہو گی کسی دوسری بیوی کی جبکہ اس کے پاس پہلے سے ایک بیوی موجود ہے۔" جواب اس سے بھی زیادہ تیزی سے آیا۔ اس نے دہل کر اپنی ماں کو دیکھا۔ ایسی باتیں تو کبھی اس نے سوچی ہی نہیں تھیں۔

"اس نے شادی کی ہے میرے ساتھ۔ افیر نہیں چلایا اور کوئی خفیہ میرج نہیں ہے یہ۔ ساری دنیا کو پتا ہے۔" اس نے دکھ اور غصے سے کہا۔

"تم سے بچہ کیوں نہیں چاہتا پھر وہ۔" زر نے

بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔

"تمہاری اس ٹاپک پہ کبھی بات نہیں ہوئی۔" وہ دھیمی پڑ گئی۔

"کیوں نہیں ہوئی۔۔۔ ہونی چاہیے تھی نا۔ ہر نارمل شخص کرتا ہے بس وہ ہی نہیں کرتا جسے سرے سے اولاد ہی نہ چاہیے ہو۔"

"کہنا کیا چاہتی ہیں آپ؟" وہ زچ ہوئی۔

"میں کیا کہوں گی زر۔۔۔ تم خود بتاؤ۔ زرمینے نے تمہیں کیوں قبول کیا۔ اس سے طلاق کیوں نہ لی؟" وہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھیں۔

"تم سے شادی کی قیمت چکائی ہے مجتبیٰ نے۔ اس شادی کے عوض زرمینے کے بھائی کو وزارت دلوائی گئی ہے اور اس کام کے لیے انہوں نے اپنے ہی سینئر پارٹی ممبر کے خلاف جعلی ڈگری کا کیس چلوا کر سیٹ خالی کروائی وہاں سے زرمینے کے بھائی کو جتوایا اور پھر اسے وزارت دی گئی۔ اور تمہاری شادی مجتبیٰ سے کروانے کی سزا کے طور پر مجھے پارٹی سے بے دخل کیا گیا۔ مجھ پہ پریشر تھا کہ میں یہ شادی نہ ہونے دوں میرا خیال تھا تمہیں سب پتا ہو گا۔"

وہ سانس روکے انہیں سن رہی تھی۔

"کاش کہ مجھے پتا ہوتا کہ وہ شخص اتنا کمین ہے تو میں تمہاری شادی اس سے کبھی نہ کرواتی اور جب سے مجھے پتا چلا ہے میں تمہیں وارن کر رہی ہوں ہنی! کہ آنکھیں کھلی رکھو۔" اب کے وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر نرم لہجے میں بولی تھیں۔ یک دم ہاتھ چھڑا کر اس نے کرسی سے ٹیک لگا لی۔

"ایسے کیسے برباد کر سکتا ہے وہ میری زندگی کو۔" وہ بڑبڑائی۔

"وہ مجھ سے پیار کرتا ہے۔" وہ خود سے بولے جا رہی تھی۔ اس کی حالت خراب ہونے لگی۔

"اٹھو! میں تمہیں گھر چھوڑ دیتی ہوں۔" وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر زر کے پاس آئیں۔

"آپ سچ نہیں کہہ رہی ہیں۔" آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے وہ شکی لہجے میں بولی۔

"جلد ہی ہر بات صاف ہو جائے گی۔"

اس کے گالوں پہ بہنے والے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے انہوں نے بہت آہستگی سے جملہ دہرایا۔

☼ ☼ ☼

وہ آج کل سلیپنگ پلز لے کر سو رہی تھی۔ اس لیے اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ وہ کب آیا تھا۔

اس کی آنکھ کھلی تو وہ کرسی پہ بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس کے سامنے فریش جوس کا گلاس رکھا ہوا تھا اور وہ خود بھی بہت فریش نظر آ رہا تھا۔ کھڑکیوں کے پردے ہٹے ہوئے تھے اور ان سے اندر آنے والی روشنی بتا رہی تھی کہ وہ کافی دیر تک سوتی رہی تھی۔

"سرپرائز!" وہ اسے دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

دنیا کا سب سے خوب صورت لگنے والا چہرہ جب یک دم بدصورت لگنے لگے تو کیا ہوتا ہے۔ حقیقت نے کسی تیزاب کا کام کیا تھا اس نے زر کو تو جھلسایا تھا ہی مگر سلامت تو اس کا چہرہ بھی نہیں رہا تھا۔ اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور اٹھ کر کھلے بالوں کو سمیٹتے ہوئے بیڈ سے نیچے اتری۔

"بٹ ناٹ آ پلیزنٹ سرپرائز۔" عام سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ واش روم چلی گئی۔

مجتبیٰ کو دھچکا لگا تھا۔ اور وہ اسے کمزور بھی محسوس ہوئی۔ جیسے وہ بیمار رہی ہو۔ عین اسی وقت یہ اسے خیال آیا تھا کہ دو دن سے اسے زر کا سیل بھی آف مل رہا تھا۔ مصروفیت میں وہ اس سے رابطہ نہیں کر پایا تھا تو کیا اس کے پیچھے کچھ ہوا تھا؟ بے ساختہ وہ پریشان ہوا تھا۔ وہ چینج کر کے آ چکی تھی اور اب آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنا رہی تھی۔ اس کا چہرہ ابھی بھی ہلکا سا نم تھا مگر اس کے تاثرات وہ سپاٹ تھے۔

"کیا اس طرح ٹریٹ کیا جاتا ہے اتنے دن بعد گھر آنے والے شوہر کو۔" عین اس کے پیچھے کھڑا آئینے میں اسے دیکھتے ہوئے وہ بولا۔

زر کے ہاتھ رکے۔ اس نے نظریں اٹھا کر شیشے میں

سے اسے دیکھا۔ وہ عام طور پر اتنا برداشت نہیں کرتی تھی، جتنا اس وقت کر رہی تھی۔ وہ منہ پہ جواب دینے کی عادی تھی مگر اب... اس نے برش ڈریسنگ پہ رکھا اور مڑی۔

"کیا کروں؟" وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"اوہ... زر...." مجتبیٰ نے آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگایا تھا مگر اس کے ہاتھ اس کے دونوں پہلوؤں میں ہی گرے تھے اور پھر یک دم اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر پوری قوت سے مجتبیٰ کو دھکا دیا وہ بری طرح سے لڑکھڑایا تھا۔ وہ اتنا شاکڈ تھا کہ چند لمحے اپنی جگہ سے ہل تک نہ سکا۔

چند لمحے وہ وہیں کھڑی ہونٹ بھینچے اپنے جذبات پہ قابو پانے کی کوشش کرتی رہی اور پھر مجتبیٰ نے بے حد حیرت سے اس کو کمرے سے باہر جاتے دیکھا تھا۔

دوسرا ابھرنے والا احساس غصے کا تھا۔

وہ اٹھا اور تیزی سے اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھانا چاہی مگر جتنی تیزی سے اس کے ہاتھوں نے حرکت کی تھی۔ وہ اتنی ہی تیزی سے ساکت ہوئے تھے۔

جس چیز نے اس کے ہاتھ ساکت کیے تھے۔ وہ سلیپنگ پلز کی بوتل تھی۔ شیشی کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے کہ بڑی مقدار میں ڈوز لی گئی تھیں۔

کیا ہوا تھا اس کی غیر موجودگی میں... اس کا غصہ جیسے رفوچکر ہو گیا۔

شیشی واپس رکھتے ہوئے وہ چونکا۔ کوریئر کمپنی کا لفافہ سامنے تھا۔ اس نے لفافہ دیکھا۔ وہ افیشن ملک کی طرف سے زر کے نام بھیجا گیا تھا۔ لفافہ خالی تھا۔ ایسا کیا تھا جو افیشن ملک کو کوریئر کے ذریعے زر کو بھجوانا پڑا تھا۔ وہ مزید الجھا تھا۔

اس کے وہم و گمان میں یہ بات تھی ہی نہیں کہ زر کو اس بات کا پتا چل سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم نے بات کی مجتبیٰ سے؟"

افیشن اسے جوس کا گلاس پکڑاتے ہوئے بولیں۔ وہ اس وقت ان کے گھر پہ موجود تھی۔

"نہیں۔" مختصر سا جواب دے کر اس نے گلاس پکڑا۔ وہ انہیں بہت ڈسٹرب لگی تھی۔

"تمہیں کرنی چاہیے تھی اس سے بات... یہ کوئی مذاق تھوڑی ہے۔ حالت تو دیکھو تم اپنی۔" ان کا موڈ بری طرح سے خراب ہوا۔

"کیا ہوا زر..." دونوں نے چونک کر حیدر صاحب کو دیکھا تھا۔ وہ کب وہاں آئے تھے۔ ان دونوں کو پتا ہی نہیں چلا تھا۔

"آپ کیسے ہیں ڈیڈی!" وہ جوس کا گلاس رکھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"آئم فائن... کوئی مسئلہ ہے کیا؟" انہوں نے دوبارہ پوچھا۔

زر نے افیشن کو دیکھا تھا۔

"نہیں کچھ خاص نہیں، بس وہی میرڈ لائف کے چھوٹے موٹے پرابلمز۔" انہوں نے اس مسئلے کو اتنا ہلکا پھلکا بنا دیا تھا کہ زر نے بے ساختہ انہیں حیران ہو کر دیکھا تھا۔

"ہنی! کیا تم مجھے کچھ بتاؤ گی؟" حیدر نے براہ راست زر سے کہا۔

زر کشمکش کا شکار ہوئی۔

"کم آن۔" اس کے کندھے کے گرد ہاتھ پھیلا کر کہا۔ زر خاموشی سے ان کے ساتھ چلی آئی تھی۔ افیشن ملک نے نہایت غصے سے حیدر کی اس حرکت کو دیکھا تھا مگر مصلحتاً خاموش رہیں۔

وہ اسے لے کر اپنی اسٹڈی میں آئے تھے۔

"اب بولو کیا ہوا ہے؟" زر نے ایک نظر انہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں نم تھیں ہمیشہ کی طرح۔

"ڈیڈی! آپ ٹھیک کہتے تھے... مجھے واقعی مجتبیٰ سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔" وہ سر جھکائے آہستگی سے بولی۔

"اتنی جلدی پچھتاوے کا شکار نہیں ہوتے زر! میرڈ لائف میں ایک دوسرے کو بہت اسپیس دینی

پڑتی ہے۔"

"اگر آپ کا لائف پارٹنر چیٹ کرے، تو کیا کرنا چاہیے۔"

"میرا نہیں خیال مجتبیٰ ایسا لائف پارٹنر ہے جو دھوکا دے۔ ایسا ہوا کیا ہے جو تمہیں یہ احساس ہوا؟"

"اس نے مجھ سے کہا کہ وہ شہر سے باہر جا رہا ہے مگر حقیقت میں وہ زرمینے کے ساتھ دبئی گیا تھا۔"

حیدر صاحب نے بے ساختہ گہرا سانس بھرا تھا۔

"بہر حال جو بھی ہے میں تمہیں... تمہاری ماں کے مشوروں پر عمل کرنے کے لیے کھلا نہیں چھوڑ سکتا۔ تمہیں مجتبیٰ سے کھل کر بات کرنا چاہیے۔"

"وہ تو میں کروں گی ہی۔" اس نے سخت لہجے میں کہا تھا۔ "اسے اپنی زندگی میں میری حیثیت ڈیفائن کرنا ہو گی۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

حیدر صاحب نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔ ابھی بھی اسے اپنی حیثیت کی وضاحت چاہیے تھی۔

☼ ☼ ☼

پیون نے اس کے سامنے روزانہ کی ڈاک لا کر رکھی اس ڈاک میں زر کی طرف سے بھیجا جانے والا ایک لفافہ بھی تھا۔ وہ حیران ہوا۔

اس نے سب سے پہلے وہ ہی اٹھایا۔

اندر سے وہ پسنجر لسٹ نکلی تھی۔

"اوہ نو... ڈیم اٹ۔" اس نے ان کاغذات کو ٹیبل پر پٹخا۔ سب کچھ واضح ہو گیا تھا۔

"زر کو کیسے معلوم ہوا یہ سب؟ یہ لسٹ... اسے حاصل کرنا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی۔ ایر لائنز والے ایسے ہی تو اپنا ڈیٹا ہر کسی کو نہیں دیتے۔ یہ یقیناً کسی اثر و رسوخ والے آدمی کا کام تھا۔"

اور پھر جیسے ایک کلک ہوا تھا۔

گھر میں موجود کوریئر کمپنی کا لفافہ اور مسز افیشن کا نام۔

ایک ابال سا اٹھا تھا اس کے اندر۔

"وہ عورت کیا چاہتی تھی۔" وہ یہ جانتا تھا۔ مگر سوچنے کی بات یہ تھی کہ وہ یہ سب زر کو کیسے سمجھائے گا۔ وہ بھی ایسے وقت میں جبکہ وہ غلطی پر بھی تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ جب سے گھر آیا تھا، جوتوں سمیت ٹیبل پہ ٹانگیں رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا سر صوفے کی بیک پہ تھا اور وہ آنکھیں بند کیے کافی دیر سے اسی طرح بیٹھا ہوا تھا۔

"صاحب! کھانا لگا دوں؟"

"بی بی نے کھایا کھانا؟" وہ سیدھا ہوتے ہوئے بولا تھا۔

"نہیں... انہوں نے تو صبح سے کچھ نہیں کھایا۔"

"تم لگاؤ کھانا۔" سیما کو کہہ کر وہ کمرے کی طرف گیا۔

کمرے کے دروازے پہ ایک لمحے کو وہ رکا اور ایک گہرا سانس بھر کر اس نے دروازہ کھولا۔

وہ سامنے صوفے پر دونوں پاؤں اوپر کر کے بیٹھی تھی۔ دروازہ کھلنے پر اس نے ایک نظر مجتبیٰ کو دیکھا اور پھر رخ موڑ لیا۔ وہ آہستگی سے دروازہ بند کر کے اس کی طرف آیا۔

"کھانا کیوں نہیں کھایا؟" وہ اس کے سر پہ کھڑا پوچھ رہا تھا۔ زر کو اس سوال کی توقع نہیں تھی۔

"بھوک نہیں ہے۔" سرد سی آواز میں جواب آیا۔

"صبح سے کچھ نہیں کھایا تم نے؟" وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"مرنے والی نہیں میں... وہ بھی اتنی جلدی۔" وہ اسے دیکھے بغیر کاٹ دار لہجے میں بولی۔ مجتبیٰ رخ بدل کر سیدھا ہوا۔

"زرمینے کے بھائی کی شادی ہے اگلے ماہ۔ مورے کے کہنے پہ اسے شاپنگ کروانے دبئی لے کر

گیا تھا۔ تمہیں صرف اس لیے نہیں بتایا کہ تمہیں تکلیف ہوتی تو میں نے تم سے چھپانا ہی مناسب سمجھا۔"

اس کی آواز بہت مدہم تھی۔ وہ خاموش رہی۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔

"میرا خیال تھا کہ یہ بات تم سے چھپی رہے گی۔ میں یہ کیسے بھول گیا کہ کچھ لوگ تو خاص طور پر میری جاسوسی پہ ہی لگے ہوئے ہیں۔" اب کہ اس نے براہ راست مجتبیٰ کو دیکھا۔

"زر پلیز۔ اپنے اور میرے تعلق کو کسی تیسرے کی وجہ سے زہر آلود مت کرو۔ پلیز۔" اس کا لہجہ ملتجی ہوا تھا۔

"میری ماں کوئی تیسرا فرد نہیں ہے مجتبیٰ!"

"وہ اگر اتنی ہی فیئر ہوتیں تو وہ یہ سب تمہیں نہ بتاتیں۔ انہیں مجھ سے بات کرنی چاہیے تھی۔ مجھ سے سوال کرتیں وہ۔" وہ تاسف اور غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بول رہا تھا۔

"کیوں کی تم نے مجھ سے شادی۔" اس سوال نے مجتبیٰ کو بہت حیران کیا۔

وہ محض اس کی شکل دیکھ کر رہ گیا۔

اس نے تھوڑی دیر رک کر مجتبیٰ کے جواب کا انتظار کیا اور پھر بڑی ہی طنزیہ مسکراہٹ اس کے چہرے پہ پھیلی تھی۔

"تم نے کبھی اپنے اور میرے بچے کے بارے میں بات نہیں کی، کیوں؟"

ایک اور سوال۔ اس سوال نے مجتبیٰ کو مزید چونکایا تھا۔ وہ کس نہج پہ سوچ رہی تھی۔ اب وہ سمجھ سکتا تھا۔

"بچے تو ہونے ہی تھے زر! اتنی جلدی کیا تھی۔ میں نے اس لیے توجہ نہیں دی۔" اس نے تحمل سے جواب دیا تھا۔

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ مجھ میں کوئی پرابلم ہو۔ کبھی تم نے بات کی کہ مجھے کسی گائنا کالوجسٹ کے پاس جانا چاہیے، نہیں نا۔ تم یہ بات کیوں کرتے مجتبیٰ۔ جبکہ تمہارے پاس پہلے سے اولاد موجود تھی۔ پھر کیوں خواہش ہوتی تمہیں مجھ سے اولاد کی۔"

وہ جواب کا انتظار کیے بنا بول رہی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے کہ میری زندگی میں عبدل موجود ہے۔ سو میں نے اس بات کو اہمیت نہیں دی مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ مجھے تم سے اولاد ہی نہیں چاہیے۔ تم جانتی ہو کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تم اپنی باتوں سے مجھے مطمئن نہیں کر سکتے۔ تم نے مجھے دھوکا دیا۔ تم صرف کھیل رہے ہو میرے ساتھ۔"

"زر پلیز! اب مجھے تمہاری باتوں سے تکلیف ہو رہی ہے۔ آئندہ میں۔"

"آئندہ۔؟" اس نے تیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔ "کس آئندہ کی بات کر رہے ہو تم۔" وہ طنزیہ ہنسی۔

وہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"میں کوئی ہنگامہ کری ایٹ نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے ایک پرسکون زندگی چاہیے۔ ایسی زندگی نہیں جس میں مجھے اپنے شوہر کا پتا دوسرے لوگ آکر بتائیں۔"

مجتبیٰ کی باتیں اس کے دلائل اس کے جوابات سب کچھ جیسے ختم ہو رہا تھا۔ زر کیا کہنے والی تھی۔ وہ سمجھ سکتا تھا۔

"زر اور زرمینے۔ ان کے درمیان کتنا فرق ہے۔ میں نہیں جانتی۔

اور کمال تو یہ ہے کہ میں یہ تک نہیں جانتی کہ ان دونوں میں سے کون تمہارے دل کے زیادہ قریب ہے۔"

مجتبیٰ نے رنج سے اسے دیکھا۔ ڈیڑھ سال بعد بھی وہ یہ بات کہہ رہی تھی۔

"بہرحال۔" وہ مڑی۔ مجتبیٰ کے دل پہ جیسے گھونسا پڑا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔

"فیصلہ تو تمہیں کرنا ہے کہ تم کس کے ساتھ زندگی گزارو گے۔ زر یا زرمینے۔"

"یہ کسی شے کے انتخاب کا مسئلہ نہیں ہے۔ ایک انسان سے بہت سے لوگ وابستہ ہوتے ہیں۔ میں ایک بند گلی میں کھڑا ہوں۔ تم دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑنا میرے لیے ایسا ہی ہے جیسے زندگی چھوڑ کر موت کا انتخاب کرنا۔"

وہ یک دم کھڑا ہو کر تیز لہجے میں بولا۔

"زر! ایک چھوٹی سی بات کو لے کر تم کیوں اتنی بڑی بات کر رہی ہو۔ میں نے تم سے جھوٹ بولا۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہو گیا کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔ میں تو تمہیں صرف اس تکلیف سے بچانا چاہتا تھا جو تمہیں میرے زرمینے کے ساتھ ہونے پر ہوتی ہے۔" ایم سوری فار دیٹ۔" اس کے کندھوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے بولا۔

زر کے بہنے والے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے تھے۔ اس نے مجتبیٰ کو دیکھتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ کندھوں سے ہٹائے۔

"ایک بات بتاؤ گے تم مجھے۔ میں کیا ہوں؟ تمہاری بیوی یا پھر قانونی رکھیل۔"

کوئی تیز دھار آلہ اتنی تیزی سے نہیں کاٹتا ہو گا جتنی تیزی سے اس بات نے مجتبیٰ کو چیرا تھا۔ وہ سن ہو کر رہ گیا۔ یک دم اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے کھینچ کر زر کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ یہ بہت غیر شعوری حرکت تھی۔

زر بے ساختہ لڑکھڑائی تھی۔ اسے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

"یہ تھپڑ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا ہو؟" ایک بازو سے پکڑ کر اسے سختی سے سیدھا کرتے ہوئے اس نے کہا، پھر ایک جھٹکے سے اسے چھوڑتے ہوئے وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

زر وہیں کی وہیں کھڑی رہ گئی۔ اس تھپڑ نے کم از کم اس کی حیثیت ضرور واضح کر دی تھی۔ اور اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ کیا فرق تھا زر اور زرمینے میں۔ مزید کسی تشفی کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔

اور مجتبیٰ۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ مسز افیشن کے پروپیگنڈہ نے وہ کام نہیں کیا۔ جو اس کا ایک تھپڑ کر گیا تھا۔

وہ نرم مزاج ضرور تھا مگر بے غیرت نہیں تھا۔ زر محبت سے بڑھ کر اب غیرت تھی اس کی اور یہ بات زر کو کیسے سمجھا سکتا تھا؟

☼ ☼ ☼

"بی بی کہاں ہیں سیما؟" وہ رات کے بعد ابھی گھر آیا تھا۔

"وہ تو رات سے گھر پہ نہیں ہیں۔"

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" وہ بے تحاشا پریشانی کا شکار ہوا تھا۔

"آپ کا نمبر آف جا رہا تھا خان!" اس نے سیما کی بات نظر انداز کرتے ہوئے جیب سے فون نکالا۔

اس کا نمبر حسب توقع آف تھا۔ فون کان سے ہٹا کر اس نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر وہ انہی پیروں پہ مڑ گیا۔

وہ بہت تیزی سے ڈرائیو کر رہا تھا اور اس وقت وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا سامنا مسز افیشن ملک سے ہو۔ مگر چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ مسز افیشن ملک اس کے سامنے تھیں۔

"زر سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے بغیر کسی توقف کے کہا۔

"میں اسے بتا دیتی ہوں۔" اسے ان کے یوں چلے جانے پہ حیرت ہوئی۔ بس پریشانی سے ادھر ادھر چکر کاٹ رہا تھا۔

"مما! مجھے اس کی شکل تک نہیں دیکھنی اور آپ کہہ رہی ہیں کہ میں اس سے مل لوں۔" پیغام ملنے پر وہ غصے سے پھٹ پڑی تھی۔

"زر تم اس سے بات تو کرو۔ آفٹر دیٹ دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔" انہوں نے پیار سے اسے سمجھایا۔

پھر وہ اسے بازو سے پکڑ کر گیسٹ روم میں لے آئیں۔ زر نے ایک نظر بھی اس پر نہیں ڈالی تھی۔ وہ بس خاموشی سے سینے پہ ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ مجتبیٰ

کچھ لمحے مسز افیشن کے جانے کا انتظار کیا تھا۔ مگر وہ وہیں موجود رہیں۔

"پلیز۔۔۔ مجھے اکیلے میں اس سے بات کرنی ہے۔" وہ کندھے اچکا کر باہر چلی گئیں۔

"یہ کیا پاگل پن ہے زر؟" وہ زچ ہوا تھا۔

"یہ پاگل پن ہے یا جو کچھ بھی ہے۔ مجھے نہیں معلوم۔ میں اس وقت تک گھر نہیں آؤں گی، جب تک تم زرمینے کو طلاق نہیں دیتے۔"

"میں زرمینے کو طلاق نہیں دے سکتا۔" اس نے صاف انکار کیا۔ "کیوں؟ میں کیوں کروں ایسا کام جس سے عرش تک ہل جائے۔ میں کیوں کروں اس سے زیادتی، جبکہ اس نے کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا۔"

"تم یوں کیوں نہیں کہتے کہ تم اسے طلاق دے ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ اس سے تمہارے باپ کی سیاست کا جنازہ نکل جائے گا۔" وہ بے حد تلخ ہو رہی تھی۔

"میرے باپ کی سیاست کا جنازہ نکلے یا کچھ اور۔۔۔ وہ میری زندگی میں اس وقت بھی موجود تھی، جب تم نے مجھے قبول کیا تھا۔" یک دم اس نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔

"ٹھیک ہے! تمہیں مجھ سے بڑی محبت کے دعوے ہیں نا تو پھر میرے لیے۔۔۔ چھوڑ دو اسے، میری محبت کے لیے۔۔۔ اپنے گھر کے لیے۔"

"تمہارا مطالبہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کی ناحق جان لے لی جائے۔ سو میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ تمہیں چلنا ہے تو چلو، میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ لیکن وہ تمہارا گھر ہے اور رہے گا۔" اس نے جیسے ہار مانی تھی۔

زر انتہائی دکھ کا شکار ہوئی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا مجتبیٰ اتنی جلدی اسے چھوڑ دے گا۔

"تم اسے نہیں چھوڑ سکتے؟" اسے اپنی آواز کی لرزش پہ قابو نہیں رہا تھا۔

"نہیں۔" مجتبیٰ کی آواز دھیمی مگر مضبوط تھی۔

"تو مجھے چھوڑ دو۔" اس مطالبے پہ اس کا منہ کھلا اور پھر وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ وہ آہستہ سے چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔ زر نے ذرا سا رخ موڑا۔

"مصیبت یہ ہے کہ سویٹ ہارٹ کہ میں تمہاری یہ فرمائش بھی پوری نہیں کر سکتا۔" اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مجتبیٰ نے ہلکے سے اس کے گال کو چھوا۔ وہ اب وارفتگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم ایسا اس لیے کہہ رہے ہو نا کہ حق مہر میں لکھی گئی رقم بہت زیادہ ہے۔"

زر نے براہ راست اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ مجتبیٰ کے چہرے کے نرم تاثرات فوراً" غائب ہوئے۔

ایک اور کاٹ کر رکھ دینے والی بات۔

وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ اس بات پہ وہ اپنی نظریں تک پھیر نہیں سکا تھا۔ پلکیں تک جھپک نہ سکا تھا۔ چند لمحوں بعد اس نے جیب میں سے ہاتھ نکالے۔ زر کو کندھوں سے پکڑا۔ وہ بے ساختہ چونکی تھی۔ مگر اس کے ہاتھ نہیں ہٹا سکی۔

وہ اسے یوں ہی دیکھتا رہا۔ مسلسل۔۔۔ پلک جھپکائے بنا۔ اور پھر ذرا سا آگے جھک کر اس نے زر کی پیشانی چوم لی۔

"خوش رہو۔" اس کی آواز بے حد دھیمی اور اتنی ہی نرم تھی جتنی کہ ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔

مزید کوئی بات کیے۔ بنا کوئی اور وضاحت دیے۔ وہ چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

نیند کی گولی لیے بغیر اسے نیند نہیں آتی تھی۔ اتنا رو لینے کے بعد آنسوؤں کو خشک ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر اب بھی وہ پہلے دن کی طرح بہتے تھے۔ کیسا لگتا ہے جب وہ شخص جسے آپ کے سوا کچھ نظر نہ آتا ہو اور پھر اسے آپ ہی نظر نہ آئیں۔ جسے آپ کے علاوہ کسی کی پروا نہ ہو اور پھر وہ یوں بے پروا ہو جائے۔

وہ تو یوں لاتعلق ہوا تھا جیسے کہ کبھی تعلق تھا ہی نہیں۔ دکھ تھا کہ کم ہو ہی نہیں پا رہا تھا۔ غم تھا کہ اسے کھائے جا رہا تھا۔

آنسو ابھی بھی اس کی ٹھوڑی کے نیچے قطروں کی

صورت گر رہے تھے۔ افیشن ملک نے اسے دیکھا اور پھر یک دم انہیں غصہ آگیا۔

"وہ تو تمہیں یوں پھینک کر چلا گیا ہے جیسے کوئی گھر کا فالتو کباڑ پھینکا جاتا ہے اور تمہارا رونا دھونا ہی نہیں ختم ہوتا۔ تم کوئی فیصلہ کیوں نہیں کرتی ہو؟"

"اتنی توہین، اتنی ذلت۔" افیشن کی باتوں سے اس کا چہرہ سرخ ہوا۔

"مما پلیز۔"

"کمال ہے۔۔۔ ابھی تک تمہاری سمجھ میں نہیں آیا۔" کندھے اچکا کر انہوں نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا۔

وہ ان کے یوں بلاوجہ ٹی وی آن کرنے پہ الجھی تھی۔ اس نے بالکل غیرارادی طور پر ٹی وی کی طرف دیکھا۔ وہ یقیناً" مجتبیٰ تھا۔

وہ اینکر کی کسی بات پہ زور سے ہنسا تھا۔ اس طرح سے ہنسنا اس کی عادت تو نہیں تھی۔ زر کو بے ساختہ تکلیف ہوئی۔

تو کیا واقعی خوش تھا؟ کیا واقعی اسے ذرا سا بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ کیا مسکراہٹ بھی بھلا آگ لگاتی ہے؟ مگر اس وقت مجتبیٰ خان کی مسکراہٹ یہ کام کر رہی تھی۔ وہ زخم لگا رہی تھی۔ آگ سلگا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ذکا پلیز۔۔۔ اب کچھ اور نہیں۔۔۔ کوئی میٹنگ۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔" وہ ذکا کو فائلز کے ساتھ اندر داخل ہوتے دیکھ کر حد سے زیادہ بے زار لہجے میں بولا۔

"کمال کرتے ہوئے مجتبیٰ۔۔۔ صرف ایک ٹاک شو ہی تو اٹینڈ کیا ہے آج تم نے۔ آج کل تم کچھ زیادہ ہی بے زار نہیں رہنے لگے۔" وہ پیپرز اور فائلز ٹیبل پہ رکھتے ہوئے بولا۔

"بے زار؟" ہلکے سے ہنستے ہوئے وہ زیر لب بولا۔ "تم نے کبھی زندگی کو یک دم عذاب بنتے دیکھا ہے ذکا!" اچانک اس سوال پہ ذکا حیران ہوا تھا۔ وہ اس سوال کا مقصد سمجھ پایا تھا نہ پس منظر۔ "کوئی مسئلہ ہے کیا؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"نہیں کچھ خاص نہیں۔ شاید تھکاوٹ کا شکار ہو رہا ہوں۔"

"تو تم کچھ دنوں کے لیے آف کیوں نہیں لے لیتے۔" وہ دائرے کی شکل میں پین کو ٹیبل پہ حرکت دے رہا تھا۔ اس کا ہاتھ رکا تھا اور اس سوال پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

"رات تو پہلے ہی عذاب ہوتی ہے۔ اب کیا دن کو بھی تکلیف دہ بنا لیا جائے۔" اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ محض سوچ سکا تھا۔

"نہیں ذکا۔۔۔ مصروفیت وہی کام کرتی ہے جو کہ کوئی بھی اینٹی بائیوٹک میڈیسن کرتی ہے۔" ذکا اب بھی الجھا تھا۔ وہ کس تکلیف کی بات کر رہا تھا۔ کون سا ایسا درد تھا جسے وہ مصروف رہ کر ختم کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ خاموش رہا تھا۔ اگر کوئی شیئر کرنے والی بات ہوتی تو وہ ضرور کرتا۔

"یہ سب اٹھا کر لے جاؤ یار۔۔۔ ابھی کسی چیز کا موڈ نہیں۔" ذکا کو اس کے چہرے پہ تھکاوٹ نظر نہیں آئی تھی۔ وہ کچھ اور تھا۔ کچھ ایسا جسے وہ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ مرد تھا، مضبوط اعصاب کا مالک تھا اور اوپر سے جس شعبے میں وہ تھا۔ وہاں پہ یک دم برے حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ سو وہ کسی حد تک عادی تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زر اس بات کو لے کر اتنا سیریس ہو جائے گی۔ غلطی مجتبیٰ نے کی تھی۔ سزا کی حق دار زرمینے کیسے ہو گئی؟ اور وہ کیوں دیتا اسے طلاق۔ کیا زرمینے بری عورت تھی؟ کیا اس نے مجتبیٰ کی عزت کی حفاظت نہیں کی تھی؟ کیا وہ اس کی فرماں بردار نہیں تھی؟

ہمیشہ محبت کو ایسے ہی کیوں آزمایا جاتا ہے۔ جس سے کسی دوسرے کی زندگی ہی داؤ پہ لگ جائے۔ اور کیا بنا دیا تھا اس عورت نے ایک صاف ستھرے حلال اور

پاک رشتے کو۔ ایک مذاق۔۔۔ ایک گند بھرا تعلق؟ اور کتنا گرالیا تھا خود کو اس مقام سے۔ جو کتنا معتبر تھا۔

"قانونی رکھیل" مجتبیٰ کو ان الفاظ نے پہلے سے کہیں زیادہ تکلیف دی تھی۔ سب سے بڑھ کر مذاق یہ کہ اس نے اپنے لیے طلاق کا مطالبہ بھی کردیا۔

وہ نہ تو اس کے کہنے پہ زرمینے کو طلاق دینے والا تھا اور نہ ہی اس کا وہ بے ہودہ مطالبہ ماننے والا تھا۔ وہ صرف خاموش تھا۔ وہ اسے وقت دینا چاہتا تھا۔ اس کا غصہ اتر جائے تو وہ اسے منا کر دوبارہ گھر لے آئے گا۔ مگر پھر بھی وہ بہت پریشان تھا۔ اس کی پریشانی زر نہیں تھی۔

پریشانی مسز افیشن ملک تھیں۔ وہ اس عورت سے کچھ بھی توقع کرسکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

اپنا کچھ ضروری سامان منگوانے کے لیے زر نے گھر کال کی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ یماگل سے کہہ کر وہ چیزیں پیک کروائے گی اور ڈرائیور اسے وہ چیزیں ممی کے گھر دے جائے گا۔

بیل جارہی تھی۔ مگر کوئی ریسیو نہیں کررہا تھا۔ اس نے ایک دفعہ پھر کیا۔ اب کی بار فون ریسیو ہوگیا۔

"ہیلو!" وہ نرم سی آواز یماگل کی نہیں تھی۔ بے ساختہ وہ خاموش ہوئی تھی۔ "آپ کون؟"

"مسز مجتبیٰ اسپیکنگ۔" یہ الفاظ نہیں تھے۔ الٹے ہاتھ کا وہ جھانپڑ تھا جو بہت زور سے اس کے منہ پہ پڑا تھا۔ اس کا خون ابل پڑا۔ ریسیور پر اس کے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہوئی۔ دوسری طرف سے زرمینے کچھ کہہ رہی تھی۔ مگر وہ اب بھلا کیسے کچھ سن سکتی تھی۔ اس گھر میں۔۔۔ یہ تعارف صرف۔۔۔ زر کے لیے تھا مگر اب۔۔۔ شدت سے سرخ ہوتے منہ کے ساتھ اس کی ہاتھ کی گرفت مضبوط ہوتی جارہی تھی۔۔۔ اور پھر۔۔۔ اس نے پوری قوت سے ریسیور کو دور پھینکا تھا۔

شاک غم میں بدلا تھا۔ غم، غصے میں اور اب وہ آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔

"اتنی آسانی سے میں تمہیں اپنی زندگی برباد نہیں کرنے دوں گی۔" وہ روتے روتے بڑبڑائی۔

"مسز مجتبیٰ اسپیکنگ۔"

"تو میرے چلے جانے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑا۔ میں نہیں تو کیا ہوا۔ لے آیا نا اپنی "خاندانی بیوی" کو۔" روتے روتے یک دم اس پہ "خاندانی بیوی" کا مطلب بہت اچھی طرح سے واضح ہوا تھا۔

"تو کیا واقعی میں اس کے لیے چند دن کی انجوائے منٹ تھی۔"

اس کے دل پہ رکھ کر کسی نے گھونسا مارا تھا۔ ایسی تکلیف تھی کہ سانس آنا بند ہوجائے۔

☼ ☼ ☼

"آپ نے پھر سے سگریٹ پینا شروع کردیا ہے خان؟" وہ نڈھال سی آواز میں بولی۔ "زر منع نہیں کرتی آپ کو۔"

"میں نے اس کے سامنے سگریٹ پی ہی کب ہے۔" بے ساختہ اسے خیال آیا تھا۔

اسلام آباد میں گل فراز کا آفیشل ولیمہ تھا۔ اسی دوران اچانک زرمینے کی طبیعت بگڑی تھی۔ وہ شاید فوڈ پوائزن کا شکار ہوئی تھی۔ اسے چکر آنے کے ساتھ مسلسل الٹیاں بھی ہورہی تھیں

وہ اسے ساتھ لے کر گھر آگیا تھا۔ ورنہ وہ ہوٹل میں ٹھہری تھی۔ مجتبیٰ نے جیسے زرمینے کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ وہ سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے نمبر ڈائل کرتے ہوئے باہر چلا گیا تھا۔ اسی دوران لینڈ لائن فون کی بیل بجی تھی۔ زرمینے نے اٹینڈ کیا مگر آگے سے کسی نے جواب ہی نہیں دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ غور کرتی یا پھر سی ایل آئی سے نمبر چیک کرتی مجتبیٰ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے لیے آچکا تھا۔

اور پھر وہ اپنی خراب طبیعت کے باعث یہ بات بھول گئی تھی کہ کسی کی کال آئی تھی۔

"خان صاحب! یہ فوڈ پوائزن نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ پریگننسی ٹیسٹ کروالیں۔ بلکہ اسی

اسپتال میں ڈاکٹر مصباح کو ریفر کردیتا ہوں۔" معائنہ کرنے کے بعد ڈاکٹر نے مجتبیٰ سے کہا۔

اس جواب پہ ان دونوں نے حیران ہوکر ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ انہوں نے دوسرے بچے کا ابھی سوچا نہیں تھا۔

ڈاکٹر مصباح نے اسے کچھ ٹیسٹ کروانے کو کہا زرمینے کی حالت کو دیکھ کر وہ اندازہ کرسکتا تھا کہ رپورٹ پوزیٹو ہی ہوگی۔ وہ زر کی وجہ سے اتنا الجھا ہوا تھا کہ اس وقت اپنی کیفیت خود بھی سمجھ نہیں پارہا تھا۔

"زر! کہیں گئی ہوئی ہے کیا؟" زرمینے نے اچانک پوچھا تھا۔ گاڑی چلاتے ہوئے گاڑی کو ایک جھٹکا لگا۔ پہلا سوال۔۔۔ اور پھر بہت سے سوالات۔ سب کو خبر ہوجائے گی وہ جسے بہت شوق سے بیاہ کر لایا تھا۔ کیا کرنے والی تھی۔ وہ خاموش رہا تھا۔

"آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد زرمینے نے دوبارہ سوال کیا۔ اسے مجتبیٰ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

"حیرت زیادہ ہے مجھے۔۔۔ ابھی تو عبدل بہت چھوٹا ہے اور اب۔۔۔"

"جس کا آنا طے ہوچکا ہو۔۔۔ اس کو آنے سے میں یا آپ روک نہیں سکتے۔۔۔ اللہ کے کاموں میں انسان بھلا کیسے دخل دے سکتا ہے۔"

زرمینے کے کہنے پہ مجتبیٰ نے سر ہلایا تھا۔

"گھر لے چلوں؟"

"نہیں۔۔۔ ہوٹل میں ٹھہروں گی۔"

مجتبیٰ نے اس بات کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔ وہ اب خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اس کی پیشانی پہ کئی بل تھے۔

☼ ☼ ☼

انہوں نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھا۔ وہ لان میں پڑی کرسی پہ دونوں پاؤں اوپر کرکے بیٹھی تھی۔ دور سے وہ انہیں سانس لیتی ہوئی بھی محسوس نہیں ہورہی تھی۔ وہ اتنی ہی ساکت تھی۔

"بے وقوف لڑکی! ابھی تک سوگ منارہی ہے کیا؟" بڑبڑاتے ہوئے وہ وہاں سے ہٹیں۔ اس کی نظریں گھٹنوں کے گرد بندھے اپنے ہاتھوں پر تھیں اور پلکیں جھپکائے بنا انہیں دیکھ رہی تھی۔

"زر! کیا ہوا؟ کیوں اس طرح سے بیٹھی ہو۔" اس کے قریب جاکر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے افیشن نے بے حد پیار سے کہا تھا۔ زر کی نظروں کا ارتکاز ٹوٹا اور اس نے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"کوئی نئی بات ہوئی کیا؟"

"گھر کال کی تھی؟" تھوڑی دیر بعد وہ آہستہ سے بولی۔

"پھر؟" افشین بہت گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"مما!" وہ رونے لگی۔ "آپ ٹھیک تھیں۔ آپ بالکل ٹھیک تھیں۔ میری خوب صورتی، اس طرح عذاب نہیں بنی تھی کبھی، جس طرح یہ اب عذاب بن گئی ہے۔" وہ سسکیوں کی وجہ سے صحیح طرح سے بات نہیں کرپارہی تھی۔

"میں اسے پسند آئی۔ اس نے سوچا کہ ویسے تو میں اس کے۔۔۔ ہاتھ نہیں آؤں گی۔۔۔ آپ سے تعلقات بھی خراب ہوں گے۔۔۔ تو ایسے ہی سہی۔ میں نہیں تو کیا ہوا؟" نظریں ابھی تک ہاتھوں پہ تھیں اور آنسوؤں کے قطرے مسلسل ان پر گر رہے تھے۔

"لے آیا وہ اپنی بیوی کو میرے گھر۔" اس کی ہچکیاں تیز ہوگئیں۔

"آہ۔۔۔ میری جان! بس کرو، بس کرو زر! تکلیف ہورہی ہے مجھے۔ تمہیں اس طرح دیکھ کر۔" اسے اپنے ساتھ لگائے ہوئے بولی تھیں۔

مگر اس کا رونا بند ہی نہیں ہورہا تھا۔

☼ ☼ ☼

زر کی وجہ سے انہیں پہلے ہی دیر ہوچکی تھی۔ آج

شام انہیں ایک پارٹی میں جانا تھا۔ حیدر کے ایک بہت قریبی دوست کے بیٹے نے ٹاپ کیا تھا۔

حیدر تو ابھی پاکستان میں تھے نہیں۔ سو انہیں جانا پڑا تھا۔ علی رضا کی فیملی سے ان کی اچھی جان پہچان تھی۔ ابھی بھی مسز علی ان کو لوگوں سے ملوا رہی تھیں۔

"مسز افیشن۔۔۔ آپ حیران ہوں گی جب میں ان کا تعارف آپ سے کراؤں گی۔" اس بات پہ افیشن نے مسکرا کر مسز علی کو دیکھا۔

"آپ کی پارٹی کے ہیں نا زبیر بلوچ صاحب۔۔۔ یہ ان کی ہمشیرہ۔۔۔ ڈاکٹر مصباح ہیں۔"

"اوہ۔۔۔ نائس ٹو میٹ یو۔" انہوں نے بڑی گرم جوشی سے ڈاکٹر صاحبہ سے ہاتھ ملایا تھا۔

"آپ ہمیں نہیں جانتیں تو کیا ہوا؟ ہم تو جانتے ہیں نا آپ کو۔" ڈاکٹر صاحبہ نے بھی گرم جوشی سے جواب دیا۔

مسز علی رضا معذرت کرتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔

"آپ کی بیٹی کی طبیعت کیسی ہے اب؟ اس دن تو کافی خراب تھی اس کی طبیعت۔"

اچانک ڈاکٹر مصباح نے پوچھا مسز افیشن نے چونک کر حیران ہوتے ہوئے انہیں دیکھا تھا۔

"زر؟ اسے کیا ہوا تھا؟ کب آئی تھی وہ آپ کے پاس؟" بے ساختہ انہوں نے کہا۔ سیاست میں ان کی دلچسپی کے ساتھ ساتھ معلومات بھی صفر تھیں۔ وہ بس اتنا جانتی تھیں کہ مجتبیٰ ان کا داماد تھا۔ اب ان کی بیٹی زر تھی یا زرمینے۔ یہ وہ نہیں جانتی تھیں۔ انہوں نے سوچا زرنک نیم ہوگا۔

"زرمینے پریگننٹ ہے نا۔ مجھے تو آپ کا سَن اِن لاء کچھ پریشان سا لگا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ پریگنینسی اس کے لیے اچانک سی خبر والی بات تھی۔ شاید انہوں نے ابھی بےبی پلان نہیں کیا تھا۔"

زیادہ بولنے والی عورتیں ہمیشہ کانوں کے لیے عذاب ہی نہیں ہوتیں۔ جیسے اس وقت ڈاکٹر مصباح کا زیادہ بولنا۔۔۔ افیشن کے کانوں کو بہت اچھا محسوس ہو رہا تھا۔

"دونوں کی شادی کو ابھی عرصہ ہی کتنا ہوا ہے۔" اب کہ افیشن نے مسکرا کر کہا تھا۔

"اب کیسی ہے وہ؟" انہیں جیسے پھر سے یاد آیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ بالکل ٹھیک۔"

اور اب ڈاکٹر مصباح مسز افیشن کے سامنے وہیں پہ اپنا گائنی کلینک کھول کر بیٹھ گئی تھیں۔

اور اب ان کا بولنا افیشن کے کانوں کے لیے واقعی ہی عذاب ثابت ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"زر! زرمینے از پریگننٹ۔"

ان کا خیال تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح رونا دھونا شروع ہو جائے گی مگر وہ حیرت انگیز طور پر خاموش تھی اور انہیں دیکھ رہی تھی۔

دکھ، درد، تکلیف، رنج، غم یا پھر غصہ۔۔۔؟

وہ ان میں سے کچھ بھی محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔ جو واحد احساس تھا۔ وہ توہین کا تھا۔

اسے بے ساختہ وہ دن یاد آیا جب مجتبیٰ کی ماں نے اسے واضح کیا تھا کہ مجتبیٰ کی خاندانی بیوی کون تھی؟

"وہ۔۔۔ زرمینے۔۔۔ اس کی خاندانی بیوی۔۔۔ اور میں؟ میں کیا تھی۔ اتنا عرصہ وہ مجھے۔۔۔"

اک جھٹکے سے وہ اٹھی۔۔۔ زور سے کرسی کو پیچھے دھکیلا اور پھر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

مسز افشین نے اسے جاتے دیکھا۔ ایک گہرا سانس بھرا اور ایک دفعہ پھر کھانا کھانے میں مصروف ہو گئیں۔

مرد ہر چیز کو خریدنے کی کوشش کرتا ہے۔ چاہے وہ کوئی معمولی چیز ہو یا پھر عورت۔ اگر عورت بکاؤ نہ ہو تو تب وہ ہر وہ حربہ استعمال کرتا ہے جس سے عورت کو بے وقوف بنایا جا سکے۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھ کر رو نہیں رہی تھی۔ وہ اس اک بات کو سمجھنے کی اپنی پوری کوشش کر رہی تھی۔

"کیسے بناتا ہے ایک مرد عورت کو بے وقوف۔۔۔ دولت سے، وجاہت سے اور محبت سے۔۔۔"

اور مجتبیٰ۔۔۔ اس نے کسی ایک چیز کا نہیں، ان تینوں کا استعمال کیا تھا۔

"نہیں وہ مجھے پلز تو نہیں کھلاتا رہا۔" اچانک ایک جھما کا ہوا تھا اور بے ساختہ اسے یاد آیا۔ وہ اتنی محبت سے جوس پلانا، زبردستی دودھ کے گلاس دینا، اس کے کھانے کا اتنا خیال کرنا اور سیما گل؟

"اوہ۔۔۔ میرے خدا۔" اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھاما تھا۔ سیما گل۔۔۔ وہ تو چمچی تھی اس کی۔ پل پل کی خبر دیتی تھی اس کو۔

اس کا دل ڈوب رہا تھا اور ذلت کا سا احساس ابھر رہا تھا اور ذلت، نفرت کو جنم دے رہی تھی۔

اس کے غصے کا گراف بلند ہو رہا تھا اور پھر طیش سے آگے پیچھے ٹہلتے ہوئے یک دم وہ ساکت ہوئی تھی۔ اس کی نظر بہت اچانک آئینے پہ پڑی تھی۔ وہ اٹھی اور اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

اس آئینے نے ہمیشہ اسے یہ ہی بتایا تھا کہ وہ سب سے خوب صورت۔۔۔ سب سے حسین ہے۔۔۔ اس کے آئینے نے اسے یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ وہ خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ بے وقوف بھی ہے۔

اور پھر اس نے آئینے میں خود کو وہاں پڑا گل دان اٹھاتے دیکھا اور پھر اس کے بعد۔۔۔ اس کے بعد وہ کوئی عکس دیکھ نہیں پائی تھی۔ آئینہ کرچی کرچی ہو چکا تھا اور وہ کرچیاں اس کے اندر پیوست ہو چکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

حکومت اپنے پانچ سال مکمل کرنے والی تھی اور اس کے لیے جیسے مصروفیات کا ایک نیا دور شروع ہو چکا تھا۔ الیکشن سر پہ تھے۔ جلسے۔۔۔ جگہ جگہ ترقیاتی، فلاحی منصوبوں کا افتتاح۔ مختلف شہروں کے دورے، ٹاک شوز، اس کے آفس میں آنے والے عوامی مسائل وغیرہ وغیرہ۔ اس کی ایک، دو میٹنگز۔۔۔ کچھ بزنس کے معاملات کے بعد ذکا نے اسے آج رات ہونے والے ایک ڈنر کا بھی بتایا تھا۔

یہ ڈنر ملک سلطان کے فارم ہاؤس پر تھا۔ ملک سلطان بزنس ٹائیکون تھا۔ جس کے بہت سے سیاسی شخصیات کے ساتھ بہت گہرے مراسم تھے۔ اور ایسے مراسم جو کہ برے وقت میں بہت کام آتے تھے عموماً "اسے دو مخالف سیاسی پارٹیوں کے درمیان پل بنانے کا ماہر سمجھا جاتا تھا اور عموماً" وہ ڈبل کراس کا کام بھی کرتا تھا۔

"کیوں رکھا ہے اس نے یہ ڈنر؟"

"اس کا گھوڑا ڈربی ریس میں پہلے نمبر پہ آیا ہے اور سننے میں آیا ہے کہ سنگاپور کے کسی کیسینو میں جوا بھی جیتا ہے۔ اس نے۔" ذکا مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"ظاہر ہے اب جشن تو بنتا ہے اس بلڈی ملک کا" مجتبیٰ نے تبصرہ کیا۔

"ایک خبر ہے۔۔۔"

"ہوں۔۔۔ بولو۔" اس نے سگریٹ کا کش لیا۔

"زربی بی بھی اس ڈنر پہ انوائیٹڈ ہیں۔" ذکا نے بہت آہستگی سے کہا تھا۔ مجتبیٰ بری طرح سے چونکا۔

"اس کے علاوہ آج کل وہ ہر اس جگہ مسز افشین ملک کے ساتھ ہوتی ہیں، جہاں پر انہیں نہیں ہونا چاہیے۔" مجتبیٰ نے سگریٹ کا گہرا کش لیا۔

"اور بہت اندر کی خبر یہ ہے کہ وہ چند دنوں میں آپ کی مخالف پارٹی جوائن کرنے والی ہیں۔"

وہ یک دم اتنا خاموش ہو گیا تھا کہ ذکا کو وہاں بیٹھنا ٹھیک نہیں لگا تھا۔ وہ اٹھا اور اپنی چیزیں سمیٹ کر چلا گیا تھا۔ مجھے اس عورت کو اٹھا کر کسی تہہ خانے میں بند کر دینا چاہیے تھا۔ یہ اس سے بہتر تھا کہ وہ اپنی ماں کے گھر جاتی۔ پہلا خیال یہی آیا تھا اسے۔

مگر یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ زر ایسا کر سکتی ہے۔ وہ اس حد تک بھی جا سکتی ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کا اور زر کا تعلق اتنا مضبوط تھا

کہ کوئی تیسرا ان کے درمیان نہیں آسکتا تھا۔ مگر وہ کتنا غلط تھا۔ یہ اس وقت وہاں بیٹھے بیٹھے اس کی سمجھ میں آگیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا تماشا ہے زر! تم اپنی ماں کی پارٹی جوائن کررہی ہو۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ تمہارے شوہر کی مخالف پارٹی ہے۔ یوں چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر کوئی اس طرح سے بھی اپنا گھر برباد کرتا ہے کیا؟"

حیدر کل رات واپس آئے تھے اور آج ہمیشہ کی طرح اپنے اسٹڈی روم میں بیٹھے اس سے سوال جواب کررہے تھے۔ اب نہ ان کے غصے کی پروا تھی اور نہ ہی وہ ان کی باتوں کو سنجیدہ لے رہی تھی۔

"ممی نے بتایا ہے آپ کو؟"

"مجتبیٰ نے۔"

"یقیناً" اس گھر میں اس کی بات سننے والے صرف آپ ہی ہیں۔" اس کے لہجے میں طنز تو تھا ہی مگر اس سے کہیں زیادہ نفرت بھی تھی۔

تم اپنے الفاظ کی درستی کرلو کہ اس گھر میں اس کی بات "سننے والا" نہیں، "سمجھنے والا یقیناً" میں ہی ہوں۔"

ان کی اس بات پر زر نے سنجیدہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"میرے خیال میں اپنی بیوی کو شاپنگ پہ لے جانا کوئی اتنی بڑی بات ہے۔" زر کو اب ان کے انداز پہ غصہ آنے لگا تھا۔

"مگر یہ اس وقت ضرور بڑی بات بن جاتی ہے جب اپنی دوسری بیوی کو اس بات سے بے خبر رکھا جائے۔" اس کا لہجہ تیز ہوا تھا۔

"وہ کم آن زر! اب اس پر فرض تو نہیں ہوگیا نا کہ اسے چھینک بھی آئے تو پہلے وہ تمہیں بتائے۔۔۔ کیا تمہیں وہ شاپنگ نہیں کرواتا؟ اور کیا تب وہ اپنی پہلی بیوی کو انفارم کرتا ہے؟"

مجتبیٰ کی طرح انہوں نے بھی اس کی بات کو چٹکیوں میں اڑایا تھا۔

"اس نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ وہ آپ کی بیٹی کو مارتا بھی ہے اور جب میں اپنے گھر کال کرتی ہوں تو آگے سے اس کی پہلی بیوی جواب دیتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ڈیڈی! زرمینے از پریگننٹ اگین ابو میں؟" حیدر صاحب بے ساختہ سیدھے ہو کر بیٹھے تھے۔

"زر! مسئلے کو یوں مت الجھاؤ۔ مجھے اس سے بات تو کرنے دو پھر۔"

"آپ کو بات کرنی ہے، شوق سے کریں۔ میں جو فیصلہ کرچکی ہوں اسے محض آپ کے کہنے پہ بدلنے والی نہیں۔ اسے سمجھ میں آجائے گی کہ اس نے کس کی زندگی سے کھیلنے کی کوشش کی ہے۔"

"زر! اتنی انتہا پہ مت جاؤ۔ بیٹھ کر بات تو کرو۔ اس کی سنو تو سہی یوں۔"

"نہیں ڈیڈی! اب کوئی بات نہیں ہوگی۔ میں اس شخص کی کوئی بات نہیں سننے والی۔ آپ مجھے مجبور نہیں کریں گے۔" حیدر نے حیرت سے اسے اٹھ کر جاتا دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اس پریس کانفرنس کو دیکھ رہا تھا جس میں زر مسز افشین ملک کی پارٹی کو جوائن کرنے کا اعلان کررہی تھی۔ لائیو کوریج چل رہی تھی۔ اس کے ساتھ مسز افشین کے علاوہ اس سیاسی پارٹی کے اعلا عہدیداران بھی موجود تھے۔ ایسا کیا کیا تھا اس نے جو وہ اس حد تک چلی گئی تھی۔ وہ بہت مسکرا مسکرا کر پوچھے جانے والے سوالات کا جواب دے رہی تھی اور پھر اس نے ذرا سا پیچھے ہو کر ایک مرد عہدیدار سے کان میں کچھ کہا تھا۔

مجتبیٰ نے بھینچے ہوئے جبڑوں کے ساتھ پلازمہ اسکرین سے نظریں ہٹائی تھیں اور پھر چینلز پہ چینلز بدلنے کے باوجود بھی وہ چہرہ نہیں بدلا تھا۔ وہ ہر طرف موجود تھی۔ وہ ایک پختون کے ضبط کو آزما رہی تھی سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اس نے ٹی وی بند کردیا۔

ہر دوسرے ٹاک شو میں وہ موجود ہوتی تھی۔ اور ہر دوسرے دن ہی کسی نہ کسی اخبار میں مجتبیٰ اور سردار اجمل خان کے خلاف کوئی نہ کوئی پھلجھڑی موجود ہوتی تھی۔ بیان بازی کرنے میں اس نے اپنی ذاتی زندگی کو بھی نہیں چھوڑا تھا۔ جتنا کوئی کسی کو زچ کرسکتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ کررہی تھی۔

وہ مجتبیٰ کو ذلیل کرنا چاہتی تھی سو وہ کررہی تھی۔ اور میڈیا۔۔۔ اسے تو جیسے بہانہ چاہیے۔۔۔ کوئی نیا موضوع ہاتھ لگنا چاہیے بس۔ اس کی شادی شدہ زندگی کے حوالے سے ہر روز ایک نئی افواہ اس کی منتظر ہوتی تھی۔

ان دونوں کے بارے میں خبریں بریکنگ نیوز کے طور پر چلا کرتی تھیں۔ مجتبیٰ کو اس نے کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا تھا مگر عجیب بات تھی۔۔۔ مجتبیٰ اس کے الزامات، اعتراضات کے جواب میں نہ تو تردید کرتا تھا اور نہ ہی تصدیق۔۔۔

زر اس کے خاندان اور پارٹی کی دھجیاں ادھیڑنے میں مشغول تھی۔ یہ مسز افشین ملک کے اثر ورسوخ کا کمال تھا اور کچھ زر کی اپنی کارکردگی جو کہ اسے اتنی جلدی پارٹی کا ٹکٹ آلاٹ کرنے والی تھی اور آنے والے الیکشن میں وہ سردار اجمل خان کی پارٹی کے امیدوار کے خلاف الیکشن لڑنے والی تھی۔ آخر کو وہ مخالف پارٹی کی بہو تھی۔

افشین ملک کی خوشی کا تو جیسے کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ آخر کو ان کا کھوٹا سکہ کھرا نکلا تھا۔

ان کا سیاسی کیریر تباہ ہونے سے بچ گیا تھا۔ باقی اس کے لیے کیا کچھ برباد ہوا تھا اور کیا کچھ برباد ہونے والا تھا اس کی پروا کسے تھی۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں معلوم ہے کہ نیازی خاندان کی بہو نے آج کل پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا پہ کیا تماشے لگا رکھے ہیں؟"

اس نے اپنے باپ کو آج سے پہلے کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

"تم نے کیا چوڑیاں پہن لی ہیں مجتبیٰ خان نیازی؟"

وہ ان کے اس گرج دار سوال پہ بھی خاموش تھا اور اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"اس طرح چپ رہنے سے تو بہتر ہے کہ اپنے چہرے پر وہ چیز بھی تھوپ لو تاکہ ان لوگوں کے ساتھ کھڑے ہو سکو، جو اسلام آباد کے ہر چوک پر بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔"

ان کے اس طرح کہنے پر اس کا چہرہ سرخ ہونٹ بھینچ گئے تھے اور ہاتھ میں موجود بال پوائنٹ دو حصوں میں تقسیم ہوا تھا مگر سر اس نے ابھی بھی نہیں اٹھایا تھا۔

"تم کیا سمجھتے ہو میں اسے یہ سب کرنے دوں گا۔ سائن کرو ان پیپرز پر۔۔۔" انہوں نے کچھ صفحات اس کے سامنے پھینکے۔

"میں اسے طلاق نہیں دوں گا۔" ان پیپرز کو دیکھے بغیر وہ اجمل خان کے چہرے کو براہ راست دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ سردار صاحب کے چہرے پہ سخت برہمی کے آثار پیدا ہوئے تھے۔

"بہت اچھا۔۔۔ مت دو۔ میں جانتا ہوں اس کا منہ کیسے بند کرواتا ہے۔ چاہے اس کے لیے مجھے اس کا منہ ہمیشہ کے لیے ہی کیوں نہ بند کرنا پڑے۔" وہ یقیناً دھمکی ہی تھی۔ اپنی بات کہہ کر وہ جانے کے لیے مڑے تھے۔

"اگر اسے کچھ ہوا نا بابا جان۔۔۔ تو اتنا یاد رکھیے گا کہ میں زرمینے کو بھی نیازی خاندان کی بہو نہیں رہنے دوں گا اور پھر چاہے میں چوڑیاں پہنوں یا اسلام آباد کے چوک پر چہرہ رنگین کرکے بھیک مانگوں۔۔۔ مجھے پروا نہیں ہوگی۔"

وہ جاتے جاتے رک گئے تھے اس کا لہجہ تھا ہی اتنا سنگین اور سخت۔ وہ اپنی سیٹ سے اٹھا اور ان کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں مجھے پتا نہیں تھا۔ میں شروع دن سے آپ کے پلان سے واقف تھا۔ سخاوت کو منسٹری صرف اور صرف افشین ملک کو چڑانے اور بددل کرنے کے لیے دلائی گئی اور اس کے بعد افشین ملک نے وہی کیا جس کی آپ کو ان سے توقع تھی۔ سو آپ کے منصوبے کے حصے بڑی کامیابی سے پورے ہوتے گئے۔ میری غلطی اتنی کہ میں نے زر کو ان سب چیزوں سے دور رکھا۔ اگر میں پہلے دن ہی اسے یہ سب بتا دیتا تو وہ اپنی ماں کے ہاتھوں یوں بے وقوف نہ بنتی۔"

اجمل صاحب حیران ہوئے تھے۔ انہیں کوئی پروا نہیں تھی کہ وہ ان کی منصوبہ بندی سے آگاہ تھا یا نہیں۔

"تمہیں اتنی بے وقوف بیوی سوٹ نہیں کرتی مجتبیٰ!"

"اس سے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟" ان کے طنز کے جواب میں مجتبیٰ نے سوال کیا تھا۔

"برا آپ نے افیشن ملک، زریا زبیر کے ساتھ نہیں کیا بابا جان! آپ نے میرے ساتھ کیا۔" جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ ان کے سامنے کھڑا بول رہا تھا۔

"بہرحال! آپ کو جو کرنا ہے کیجیے۔ نتائج کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ میں نہیں۔" وہ کہہ کر دوبارہ اپنی سیٹ کی طرف چلا گیا تھا۔ سردار صاحب نے بہت غصے سے اسے دیکھا تھا۔ "تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟" وہ نسبتاً "اونچی آواز میں بولے۔

"کہہ سکتے ہیں۔" پرسکون انداز میں جواب آیا۔

"مجتبیٰ خان! وہ عورت دردِ سر بن چکی ہے تم کسی بات کی تصدیق کرتے ہو نہ تردید... اس طرح تو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا پارٹی کو...." بے اختیار ان کا لہجہ دھیما ہوا۔

"بعض سردرد ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہ فی الحال لاعلاج ہیں۔ اب کیا کر سکتے ہیں بابا جان!" اس کا انداز صاف جتانے والا تھا۔ اس جواب پر سردار صاحب نے تیز نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ بہت غصے میں اس کے آفس سے نکلے تھے۔ اب ایک ہی حل رہ گیا تھا۔ کسی دن میڈیا پہ پٹی چلنی تھی کہ نامور سیاست دان کی بیٹی زر مجتبیٰ نامعلوم افراد کی فائرنگ سے ہلاک ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

اتنا کچھ ہو جانے کے بعد زر نے مجتبیٰ سے طلاق لینے کا کیس فائل نہیں کیا تھا تو اس کے پیچھے مسز افیشن ملک کی حکمت عملی تھی۔ مجتبیٰ اور اس کا خاندان اتنا بدنام تب نہ ہوتا، جب زر مجتبیٰ سے طلاق لینے کے بعد سیاست میں آتی۔ وہ اب زیادہ بدنام ہو رہا تھا۔

اوپر سے میڈیا میں مسز افیشن نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ مجتبیٰ، زر کو حق مہر کی وجہ سے طلاق نہیں دے رہا تھا جو کہ بہت زیادہ تھا۔

اور مجتبیٰ....

اس نے سیکریٹری اطلاعات کو یہی ہدایات دے رکھی تھیں کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے، جواب میں اس کی یا اس کی پارٹی کی طرف سے کوئی تردید یا تصدیق نہیں آئے گی۔ جو کچھ بولتی ہے۔ اسے بولنے دیا جائے۔ یہ فیصلہ کتنا صحیح یا غلط تھا۔ محبت یہ سب کہاں دیکھتی ہے۔ پارٹی ممبرز اس فیصلے پہ پریشان سے زیادہ حیران تھے اور پھر سیکریٹری اطلاعات کی ہدایات پر پارٹی ممبران میڈیا میں یہی کہتے تھے کہ زر کی باتیں اور الزامات اتنے بوگس اور فضول ہیں کہ وہ ان کا جواب دینا یا پھر تصدیق و تردید کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔

اس طرز عمل نے زر کو اور بھڑکایا تھا۔

اس کی بیان بازی میں اور تیزی آئی تھی اور پھر "یقیناً" سردار صاحب کا مجتبیٰ سے ایک اور ٹھیک ٹھاک قسم کا جھگڑا ہو جاتا۔ مگر اب کہ جو خبر سامنے آئی تھی۔ وہ

ان کانٹیکٹ بند کردینے کے لیے کافی تھے۔

مجتبیٰ سے ان کے سابقہ تنازعہ کے بارے میں ایک نیوز چینل پہ خبر چلی تھی۔ نہ صرف خبر چلی تھی بلکہ اس تنازعہ کی آڈیو بھی حاصل کرلی گئی تھی اور اب ایک مخصوص چینل پہ وہ ٹیپ بار بار چل رہی تھی۔ اگر کوئی عام دن ہوتا تو یوں اتنے اندر کے معاملات کی تشہیر ہوتے دیکھ کر ضرور حواس باختہ ہوتا مگر وہ ایک سیاست دان تھے۔ البتہ وہ پریشان ضرور ہوئے تھے۔ انہوں نے مجتبیٰ سے کہا تھا کہ وہ پتا کروائے کہ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے اور بند کمرے میں ہونے والی باتیں کیسے سرعام ہوئی تھیں؟

ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔

مجتبیٰ نے انہیں یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ ضرور پتا لگوائے گا۔ مگر اس کی یہ بات صرف یقین دہانی تک ہی محدود تھی۔ فی الوقت اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ اسے پتا تھا کہ یہ کس کا کام تھا۔

☼ ☼ ☼

"زرمینے زر کی غیر موجودگی میں اس کے گھر میں کیا کر رہی تھی مجتبیٰ؟" بلا تمہید انہوں نے مجتبیٰ سے پوچھا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" وہ حیران ہوا۔

"فون کیا تھا اس نے.... آگے سے تمہاری وائف نے اٹینڈ کیا۔"

"زر کو تمہاری فرسٹ وائف کے پریگننٹ ہونے کا بھی معلوم ہے۔ اسی لیے وہ یوں ری ایکٹ کر رہی ہے۔ اس کے خیال میں تم نے اسے صرف...." وہ یک دم بات کرتے کرتے رک گئے تھے۔ ادھوری بات.... واضح مطلب.... اور مجتبیٰ.... اسے جیسے کرنٹ لگا تھا۔

"اسے یہ بات کس نے بتائی؟" "مے بی! تمہاری وائف نے بتائی ہو۔" حیدر ملک نے خدشہ ظاہر کیا۔

"زرمینے؟ نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتی۔" وہ پورے یقین سے بولا۔

"کم آن مجتبیٰ! ان عورتوں سے کچھ بھی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ ممکن ہے جیلسی میں آکر۔"

"میں زرمینے کو جانتا ہوں۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "گھر والوں کے علاوہ جس کو علم تھا۔ وہ ڈاکٹر صاحبہ ہیں۔"

اس نے فوراً "ذکا کا فون کر کے ان ڈاکٹر صاحبہ کا پتا لگوانے کو کہا تھا۔ اور چند لمحوں بعد سارا معاملہ یوں سلجھا تھا جیسے کہ ریشم کے الجھے ہوئے دھاگوں کا وہ سرا ہاتھ میں آجائے۔ جس کے کھینچنے سے سارا گچھا ہی سلجھ جاتا ہے۔ وہ زبیر بلوچ کی ہمشیرہ تھیں۔

"آپ ان عورتوں سے کچھ بھی توقع کر سکتے ہیں۔ خاص طور پر ایسی عورتیں جن کا کام ہی سیاست ہو۔"

اس نے ان ہی کی بات لوٹائی تھی۔ اس کا اشارہ افیشن کی طرف تھا۔ وہ چپ ہوئے۔

"تو تم اب کیا کرو گے؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد حیدر صاحب نے پوچھا۔

"اصولاً" تو مجھے اسے طلاق دے دینی چاہیے۔"

اس کے جواب پہ حیدر صاحب بے اختیار چپ ہوئے تھے۔

"تو تم اسے طلاق دے دو گے؟" تھوڑی دیر بعد ایک گہرا سانس بھر کر جیسے انہوں نے خود کلامی کی تھی۔ ان کی اس بات پہ بے ساختہ مجتبیٰ ہنسا تھا۔ انہوں نے حیرت اور ناگواری سے اسے دیکھا۔

"اگر یہ کام کرنا ہوتا تو کب کا ہو چکا ہوتا۔" مجتبیٰ نے جیسے ان کی حیرت دور کی تھی۔

"تو پھر؟"

"بظاہر ایسا لگتا ہے کہ عشق و محبت جیسے الفاظ ہم لوگوں کے لیے بے معنی ہوتے ہیں۔ ہماری کمزوری کرسی ہوتی ہے۔ ہم اپنی زندگیاں تک داؤ پہ لگا دیتے ہیں اس کے لیے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم انسان ہی ہوتے ہیں اور دل کے ہاتھوں مجبور بھی ہوتے ہیں۔

جس طرح سے آج مجتبیٰ خان ہوا بیٹھا ہے۔ کیا کوئی اور وجہ چاہیے؟" اس نے سوال کیا تھا اور حیدر ملک چپ رہ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

اس وقت ملک کے ایک مشہور سیون اسٹار ہوٹل کے کمرے میں ایک انتہائی اہم میٹنگ چل رہی تھی۔ وہ دبئی کی حکومت کے ایک اعلا عہدیدار کا اہم نمائندہ تھا، جو پاکستان میں کچھ سیاسی شخصیات سے اہم ملاقاتوں کا شیڈول طے کرنے آیا تھا۔

مسز افیشن کے دبئی حکومت کے اس اعلا عہدیدار سے گہرے مراسم تھے اور اس وقت اس کمرے میں اس نمائندے کے ساتھ کون میٹنگ کر رہا تھا؟

وہ زر مجتبیٰ خان تھی۔ اور دبئی میں اس اعلا حکومتی عہدیدار سے ملنے بھی وہ ہی جانے والی تھی۔ وہ انتہا کی خوب صورت تھی اور خوب صورتی عرب شیوخ کی بڑی کمزوری ہوتی ہے۔۔۔ اس کارڈ کو استعمال کر کے مسز افیشن ملک اپنے بہت سے الو سیدھے کرنے والی تھیں۔ وہ جیسے ہی میٹنگ ختم کر کے کیپسول لفٹ سے نیچے آئی تھی۔ اچانک ایک طرف سے سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس ایک شخص آیا تھا۔ اس نے ایک تہہ شدہ کاغذ زر کی طرف بڑھایا اور انتہائی دھیمی آواز میں اس سے کچھ کہا تھا۔ زر نے اپنے ساتھ موجود گارڈ کو جانے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ اس شخص کے ساتھ چلنے لگی۔ ہوٹل سے باہر نکلتے ہوئے اس آدمی نے ایک بلیک شیشوں والی لینڈ کروز کی طرف اشارہ کیا۔ چہرے پہ ایک پروفیشنل مسکراہٹ سجائے وہ اس گاڑی کی طرف بڑھی۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھلا۔ اس نے بہت مسکرا کر سیٹ پہ بیٹھے شخص کی طرف دیکھا۔

مگر۔۔۔ دوسرے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔ اس نے مڑ کر اس سیاہ پینٹ کوٹ والے آدمی سے کہنا چاہا کہ یہاں، تو اسے اس نمائندے نے بلوایا تھا مگر۔۔۔ وہ مڑ نہیں سکتی تھی۔ اپنی کمر سے پیچھے وہ ریوالور کی ٹھنڈی نالی محسوس کر سکتی تھی۔

"پلیز۔۔۔" مجتبیٰ نے مسکرا کر ہاتھ کے اشارے سے اپنی ساتھ والی سیٹ کی طرف اشارہ کیا اور وہ اس سیٹ پہ بیٹھنے کے علاوہ کوئی اور فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔

"موو۔" اس کے بیٹھتے ہی مجتبیٰ نے ڈرائیور سے کہا۔ گاڑی کے ٹائر چرچرائے اور وہ تیزی سے حرکت کرنے لگی۔ اپنے حواسوں کو نارمل کرنے کے لیے بے اختیار زر نے ایک گہرا سانس لیا۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے مجتبیٰ نے منرل واٹر کی بوتل اس کی طرف بڑھائی تھی۔ جسے اس نے غصہ سے ہاتھ مار کر گرا دیا۔

اس کی اس حرکت پہ وہ جبڑے بھینچ کر سامنے دیکھنے لگا تھا۔ گاڑی مسلسل چل رہی تھی۔ مجتبیٰ بالکل خاموش تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور سرد تھا۔

خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے اس نے مجتبیٰ کی طرف دیکھا۔

سفید کاٹن کے سوٹ اور بلیک واسکٹ میں وہ یوں ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا تھا۔ جیسے وہاں کوئی اور موجود ہی نہیں تھا۔

"تم یہاں کیا مجھے اسلام آباد کی سڑکوں کی سیر کروانے لائے ہو؟" اور اس کے بولنے کی دیر تھی۔ مجتبیٰ نے کھینچ کر پوری قوت سے اسے تھپڑ دے مارا۔ بے ساختہ اس کی چیخ نکلی تھی۔ اس نے خوف اور حیرت سے مجتبیٰ کو دیکھا۔ مجتبیٰ نے اس کا بازو کھینچ کر اسے اپنے قریب کیا۔

"تم دبئی جاؤ گی اس بلڈی شیخ سے ملنے۔۔۔ اس سے پہلے ٹانگیں نہ توڑ دوں میں تمہاری۔ جان سے نہ مار دوں تمہیں۔"

اس کا لہجہ جتنا سرد تھا۔ اتنا ہی سخت بھی تھا۔ وہ بری طرح دہشت زدہ ہو گئی۔

"تم جا کر دکھاؤ مجھے ذرا۔" ایک جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑتے ہوئے وہ اسی سنگین لہجے میں بولا۔

زر نے سختی سے دانت پہ دانت جما کر خود کو چیخنے سے روکا۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے اور اس کا رنگ سیکنڈ میں سفید پڑا تھا۔ بے اختیار آنسو بہہ نکلے تھے۔ وہ اپنی بات کہہ کر پھر سے اسی لاتعلق انداز میں ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر بیٹھ گیا تھا۔

جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

اس لمحے گاڑی ایک یوٹرن سے مڑی اور پہلے کی نسبت تیز رفتار سے چلنے لگی تھی۔ بے ساختہ زر نے آنکھیں بند کی تھیں۔ بند آنکھوں سے آنسو مسلسل پھسل رہے تھے۔

وہ اب یقیناً" اسے شوٹ کرنے والا تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا اور سانس۔۔۔ وہ تو جیسے آنا ہی بند ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی۔

"تم دنیا کی سب سے بد صورت عورت ہو زر!" اس کے کانوں نے یہ جملہ سنا تھا مگر لہجہ میں نفرت نہیں۔۔۔ تاسف تھا

"میم پلیز!" اور اس نے فوراً" آنکھیں کھولی تھیں۔

وہاں گاڑی کا دروازہ نہیں کھلا تھا۔ جیسے کہ زندگی کا دروازہ کھلا تھا۔ اس نے بے یقینی سے کھلے دروازے میں کھڑے ڈرائیور کو دیکھا۔ وہ اس کے نیچے اترنے کا منتظر تھا۔ وہ تیزی سے پیچھے دیکھے بغیر گاڑی سے اتری تھی۔ گاڑی سے اتر کر جو منظر اس کے سامنے تھا۔ وہ پہلے سے کئی زیادہ حیران کن تھا۔ تو وہ اسے اس کے گھر کے دروازے پہ چھوڑ کر گیا تھا۔ اس نے حیرت اور بے یقین ہو کر جاتی ہوئی گاڑی کو دیکھا تھا۔ اس کا سانس بحال ہوا اور وہ وہیں زمین پہ بیٹھ گئی۔ پھر سیکنڈز میں اسے سارا معاملہ سمجھ آیا تھا۔

وہ صرف اسے دھمکا کر وارن کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ دبئی نہ جائے۔

☼ ☼ ☼

ایمبیسی والوں نے اس کا ویزا آسانی سے نہیں لگایا تھا۔ بہرحال لگا دیا تھا۔ آخر کو افیشن ملک بھی اتنے عرصے سے سیاست میں جھک تھوڑا مار رہی تھیں۔ اس نے واقعی میڈیا میں مجتبیٰ کی اس حرکت کے بارے میں منہ تک نہیں کھولا تھا۔ حالانکہ افیشن کے خیال میں زر کا یہ فیصلہ ٹھیک نہیں تھا۔ اسے تو ایک اودھم مچا دینا چاہیے تھا مگر۔۔۔ اس کے خیال میں اس طرح کرنے سے مجتبیٰ چوکنا ہو جاتا۔

☼ ☼ ☼

صبح چار بجے کی اس کی فلائٹ تھی۔ بظاہر وہ بہت پرسکون طریقے سے اپنی تیاری کر رہی تھی۔ مگر کچھ تھا جو اسے پرسکون نہیں رہنے دے رہا تھا۔

اپنے ہینڈ بیگ میں پاسپورٹ اور ٹکٹ رکھتے ہوئے یک دم اس کا دل چاہا کہ وہ کہیں نہ جائے۔ بے ساختہ وہ بے جان ہوتے ہوئے جسم کے ساتھ بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

اس کا ہاتھ ابھی تک ہینڈ بیگ کے اندر تھا اور اس نے زپ بھی بند نہیں کی تھی۔ یک دم رات کے اس خاموش پہر میں گاڑیاں اسٹارٹ ہونے کی آواز نے سکوت کا پردہ چاک کیا تھا۔ ایک گہرا سانس بھر کر اس نے بیگ کی زپ بند کی۔

ملازم اس کا سامان لے کر چلا گیا۔

وہ تھکے ہوئے انداز میں اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی گھر کے بیرونی دروازے تک آئی۔

دونوں گاڑیاں تیار تھیں۔ ایک گاڑی میں گارڈز تھے جو کہ اس کی حفاظت کے خیال سے ساتھ جا رہے تھے۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے نکلی تھیں۔

اسلام آباد کی سڑکیں خاموش اور سنسان تھیں۔ اس نے گردن موڑ کر اپنے پیچھے آنے والی گاڑی کو دیکھا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے کوئی حفاظت کے خیال سے اپنے جیب میں موجود ریوالور کو ہاتھ لگا کر یقین دہانی کرتا ہے۔ آدھا راستہ طے ہو چکا تھا اور ابھی تک سب کچھ

نارمل تھا۔ اس کے اعصاب آہستہ آہستہ پرسکون ہورہے تھے۔

وہ شخص مجھے دھمکا رہا تھا اور کچھ بھی نہیں تھا۔

دونوں گاڑیاں ایرپورٹ پر پہنچ چکی تھیں اور اس سے تھوڑا ہی آگے پولیس چوکی تھی۔ اس بات سے جیسے زر نے خود کو محفوظ تصور کیا تھا۔

ایرپورٹ سے محض اب دس منٹ کی دوری تھی۔ سیٹ سے سر ٹکائے وہ اب غنودگی محسوس کررہی تھی۔ اس غنودگی میں اس نے محسوس کیا کہ کوئی چیز سنسناتی ہوئی سناٹے کو توڑ رہی تھی اور پھر جیسے کوئی دھماکا ہوا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ بیک ویو مرر میں سے ڈرائیور اسے دیکھ رہا تھا اور وہ ڈرائیور کو اور پھر اس کے بدترین خدشے کی تصدیق ہوئی تھی۔

وہ دھماکا نہیں تھا۔ کوئی گولی تھی جو کہ گاڑی کے کسی نچلے حصے میں لگی تھی۔

حواس باختہ ہوکر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ گارڈز کسی پر اندھا دھند فائرنگ کررہے تھے۔

اس نے گارڈز کی بندوقوں کے رخ کی جانب دیکھا تھا اور بے ساختہ اس نے چیخ ماری تھی۔ اس کی گاڑی کے سامنے والی سڑک پر ایک ڈبل کیبن گاڑی تھی۔ جس میں موجود مسلح افراد میں سے چند اس کی گاڑی پر فائر کررہے تھے۔ جبکہ باقی ان گارڈز سے مقابلہ کرنے میں مصروف تھے۔

ابھی تک اس کی گاڑی پہ جتنے فائر ہوئے تھے وہ نچلے حصے میں ہی لگے تھے۔ ڈرائیور اسپیڈ بڑھا چکا تھا۔ وہ وہاں سے نکلنے کی کوشش میں تھا۔ وہ پولیس کی چوکی جو تھوڑی دیر پہلے تک اس کے لیے اطمینان باعث تھی۔ اب موت کا گڑھا بننے والی تھی۔ کیونکہ وہاں یقیناً" گاڑی کی رفتار کم ہوتی اور اس کا مطلب تھا کہ۔۔۔

"گاڑی نکالو یہاں سے۔۔۔ خدا کے لیے نکالو۔" وہ پوری قوت سے چیخی تھی۔

"میم! آپ نیچے ہوجائیں، سیٹ سے نیچے۔" ڈرائیور بھی پوری قوت سے چلایا تھا۔ وہ سیٹ سے نیچے ہونے کے لیے اپنی جگہ سے تھوڑا سا اٹھی تھی اور وہیں ساکت ہوگئی تھی۔

ایک گولی نے سیدھا ڈرائیور کے سر کا نشانہ لیا تھا۔ خون کا فوارہ ابلا۔۔۔ ڈرائیور کے ہاتھ اسٹیئرنگ سے چھوٹے۔ گاڑی بے توازن ہوگئی۔ مگر وہ دہشت زدہ ہوکر اس بہنے والے خون کو دیکھ رہی تھی۔

گولیاں اب بھی چل رہی تھیں اور پھر جو آخری منظر اس کی آنکھوں نے دیکھا تھا۔ وہ سڑک پہ رکھے کنکریٹ سے بنے اس بیریئر سے گاڑی کے ٹکرانے کا تھا۔ اور پھر۔

☼ ☼ ☼

زر پہ حملے کی خبر سنتے ہی ایک دفعہ تو مجتبیٰ کا دماغ شل ہوا تھا۔

اس نے سب سے پہلے زر کے بارے میں پتا کیا تھا۔ وہ محفوظ تھی اور اسے معمولی چوٹیں آئی تھیں۔ جبکہ اس حملے میں اس کا ایک گارڈ زخمی ہوا تھا اور ڈرائیور مارا گیا تھا۔

اب یہ خبر بار بار بریکنگ نیوز کے طور پر چل رہی تھی۔

ایک طرف اس کی کسی وقت لی گئی تصویروں کی کلپس چل رہے تھے۔ اور دوسری طرف حملے کے بعد کے مناظر دکھائے جارہے تھے۔ ایک رپورٹر اس بیریئر کو دکھا کر رپورٹ کررہا تھا۔ جس سے زر کی گاڑی ٹکرائی تھی۔ ساتھ ہی اس کی گاڑی بھی دکھائی جارہی تھی۔ چونکہ یہ حملہ پولیس چوکی کے پاس ہوا تھا۔ سو ان کے بیان بھی لیے جارہے تھے۔

دوسری طرف ایک اور رپورٹر تھا جو کہ اسپتال سے لائیو کوریج کررہا تھا۔ جہاں پہ زر داخل تھی۔

بریکنگ نیوز چلی۔

"ناظرین! معروف سیاستدان افیشن ملک صاحب کی بیٹی۔۔۔ زر ملک پہ قاتلانہ حملے کی رپورٹ آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اب آپ کو لیے چلتے ہیں پریس کلب۔ جہاں پر اس وقت محترمہ افیشن ملک پریس کانفرنس کررہی ہیں۔"

مجتبیٰ اپنے آفس میں بیٹھا مسلسل نیوز چینل بدل رہا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ اس پریس کانفرنس میں کیا کہنے والی تھیں اور اس کا الزام کس پہ عائد کرنے والی تھیں۔ وہ کیا کہہ رہی تھیں، کیا نہیں۔۔۔ مجتبیٰ کو اب اس سے غرض نہیں تھی۔

اس نے فوراً" سے پہلے اپنے وکیل کو کال کی تھی اور اسے اپنی اور سردار اجمل کی ضمانت قبل از گرفتاری کروانے کو کہا تھا۔

وکیل سے بات ختم کرکے اس نے ایک دفعہ پھر اسکرین کو دیکھا تھا۔

وہاں اب ایک اور بریکنگ نیوز چل رہی تھی جس میں زر کو اغوا کرنے دھمکانے اور تشدد کرنے کا بتایا جارہا تھا اس میں مجتبیٰ خان کا نام لیا جارہا تھا۔

"اف۔ یہ میڈیا والے!" اسے بے ساختہ غصہ آیا تھا اور اس نے اسکرین بند کرکے ریموٹ صوفے پر پھینک دیا۔

زر یقیناً" ایف آئی آر میں اس کے خلاف بیان دینے والی تھی اور اب افیشن کی پریس کانفرنس کے بعد کوئی بے وقوف بھی بتا سکتا تھی کہ زر پہ یہ حملہ کس نے کروایا تھا۔ بے اختیار اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھاما تھا۔

اچانک دروازہ کھلا اور ذکا بہت پرجوش انداز میں اندر داخل ہوا۔

مجتبیٰ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

اس کا چہرہ جوش سے سرخ ہورہا تھا۔

"گڈ نیوز مجتبیٰ!" وہ دونوں ہاتھ ٹیبل پہ رکھ کر خوش ہوکر بولا۔

مجتبیٰ کو یک دم محسوس ہوا تھا کہ ذکا کا دماغ چل گیا ہے۔

"گڈ نیوز۔۔۔ اور وہ بھی ان حالات میں چہ معنی دارد؟"

☼ ☼ ☼

آنکھیں کھولنے پہ بھی پہلا احساس درد کا تھا جو لہر کی صورت میں سر کے پچھلے حصے میں جارہی تھی۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

"ہنی۔۔۔ آر یو آل رائٹ۔" حیدر فوراً" اسے یوں سانس لیتا دیکھ کر اس کے پاس آئے تھے۔

"ڈیڈی؟" اس نے ہاتھ لگا کر سر پہ بندھی بینڈیج کو محسوس کیا تھا۔

"شکر ہے تمہیں کچھ نہیں ہوا۔ بس معمولی سے زخم ہیں۔" وہ اسے یوں ہاتھ لگاتا دیکھ کر بولے۔

"ڈیڈی! وہ ڈرائیور؟" اس نے خوف زدہ ہوکر پوچھا۔ اس کے سوال کا جواب حیدر کے چہرے کے تاثرات تھے۔

"اوہ۔۔۔ نو۔۔۔ نو۔۔۔ گاڈ۔۔۔ میرے خدا۔۔۔ ڈیڈی!" منہ پہ ہاتھ رکھے وہ بے ربط بولتے ہوئے رونے لگی تھی۔

"ہنی۔۔۔ ہنی۔۔۔ ریلیکس۔۔۔ ٹیک اٹ ایزی۔"

وہ اس کا سر اپنے سینے کے ساتھ لگاتے ہوئے اس کی پیٹھ سہلا رہے تھے۔ لیکن وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ جس طرح ہر کوئی شاعر نہیں ہوتا۔۔۔ ادیب ہونا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس طرح سے ہر کوئی اٹھ کر سیاست دان بھی نہیں بن سکتا اور وہ سیاست دان نہیں تھی۔ وہ اپنی ماں کی طرح نہیں تھی۔ وہ ایک جذباتی اور کمزور لڑکی تھی۔

اس کی وجہ سے ایک جان چلی گئی تھی۔ سو اپنے ڈیڈی کے سینے سے سر لگائے روتے ہوئے اس نے فیصلہ سنایا۔ ایک آخری قدم اٹھانے سے پہلے وہ مجتبیٰ کو ضرور پھنسوا کر جائے گی۔

وہ اگر اسے محض دبئی جانے سے روکنے کے لیے آخری حد تک جاسکتا ہے تو وہ بھی اسے جیل پہنچانے کے لیے آخری حد تک بھی جائے گی۔

اس کے ڈرائیور کی موت۔۔۔ کسی کے لیے اہم نہ

ہوتی مگراس کے لیے تھی۔ اس نے خود اپنی آنکھوں سے اسے مرتا دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پہ موت کی تکلیف۔۔۔

"آہ۔۔۔ مجتبیٰ مجھے مروانا چاہتا تھا۔" وہ اس دن بے یقین تھی، جب مجتبیٰ نے اسے اغوا کروایا تھا۔

مگر اب بے یقین بالکل نہیں رہی تھی۔

پولیس کو کیا بیان دینا تھا۔ وہ فیصلہ کرچکی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے ضمانت کے انتظامات تو کروالیے تھے مگر اس نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ بابا جان ایسا کرواسکتے تھے۔ وہ جانتا تھا ان حالات میں وہ ایسی کوئی بھی حرکت نہیں کرسکتے تھے۔ اس طرح سے تو سیدھا شک ان پہ اور مجتبیٰ پہ ہی جاتا اور ان کا ووٹ بینک متاثر ہوتا۔ البتہ وہ یہ ضرور سوچ رہا تھا کہ ایسا کون کرواسکتا تھا۔ کوئی تیسری قوت؟ جو کہ ان کی پارٹی کو نقصان پہنچانا چاہتی ہو یا پھر ایسا کوئی جسے اس واقعے سے فائدہ پہنچنے والا ہو۔ اس کا شک یقین میں اس وقت بدل گیا تھا جب ذکا نے اسے وہ "گڈ نیوز" سنائی تھی۔

بے ساختہ وہ بھی اتنا ہی خوش ہوا تھا جتنا کہ ذکا تھا۔

"دیٹس گریٹ۔" خوش ہوتے ہوئے اس نے ٹیبل پہ ہاتھ مار کر کہا۔ یہ ایسا بم بلاسٹ تھا جو اس کے مخالفین کے پرخچے ضرور اڑانے والا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج زر اسپتال سے ڈسچارج ہو رہی تھی۔ اس کے ڈسچارج ہونے کی خبر سن کر میڈیا والے بھی بھاگے آئے تھے۔

وہ اسپتال سے باہر نکل کر کھلے احاطے میں آئی تھی۔ میڈیا والے یک دم اس کی طرف بھاگے تھے۔

دھڑا دھڑ فوٹوز ایک کے بعد ایک سوال۔۔۔ وہ بہت تحمل سے جواب دے رہی تھی۔

افشین ملک نے ایک ہاتھ اس کے شانے کے گرد پھیلایا ہوا تھا اور جہاں ضرورت ہوتی، وہ بھی سوالوں کے جواب دے رہی تھیں۔

"میڈم! آپ نے سردار اجمل اور مجتبیٰ خان کا ہی نامزد کیوں کیا؟ کوئی تیسری قوت بھی تو ہوسکتی ہے کہ آپ دونوں کے اختلافات کو استعمال کرسکتی ہے۔"

رپورٹر کے اس سوال پہ وہ فوراً کوئی جواب دے نہیں سکی تھی۔ "اس کے ذہن میں یہ بات کیوں نہیں آئی تھی۔" بے اختیار اس نے سوچا۔

"دیکھیے! اگر کوئی شخص مجھے گن پوائنٹ پہ زبردستی اپنی گاڑی میں بٹھاتا ہے، پھر تشدد بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "تم مجھے وہیں جاکر دکھاؤ تو اس کا کیا مطلب نکلتا ہے یہ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی۔ ویسے بھی اس واقعے کی خبر میرے اور میرے گھر والوں کے علاوہ کسی کو نہیں تھی۔ تو پھر اسے کوئی تیسرا کیسے استعمال کرسکتا ہے۔"

وہ اپنے دلائل سے خود کو بھی مطمئن کر رہی تھی۔

"اگر اتنے ہی اختلافات تھے اور ہیں تو آپ نے ابھی تک علیحدگی کیوں نہیں اختیار کی؟" اسی رپورٹر نے دوسرا سوال کیا۔

"میں چاہتی تھی کہ یہ معاملہ اس طرح سے حل ہوجائے جس طرح سے دو مہذب لوگوں کے درمیان ہوتا ہے، میں کورٹ کے معاملات میں الجھنا نہیں چاہتی۔ مجھے اپنی بھی عزت پیاری ہے اور میں کسی دوسرے کی عزت بھی خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

وہ رپورٹر کچھ زیادہ ہی باخبر تھا۔ اس کے بعد وہ فوراً مائیک کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

"میڈم پلیز۔۔۔ جسٹ ون مور کوئسچن!" بہت سی آوازیں اس کو سننی پڑیں۔ مگر اب وہ کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔

اس کے سیکورٹی گارڈز بمشکل اس کے لیے راستہ بنا رہے تھے۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے مسکرا کا وکٹری کا نشان

بنایا۔ اس ایک منٹ میں کیمروں کے فلیش ایک دفعہ پھر حرکت میں آئے تھے اور پھر اس کی گاڑی آگے بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"آپ کے خیال میں کیا کرنا چاہیے بابا جان؟" اس وقت کوئٹہ میں گھر کے ایک بند کمرے میں مجتبیٰ اور اجمل خان کی گفتگو جاری تھی۔

"ہم اس کو میڈیا میں پیش کرکے مخالف پارٹی کا فیوچر تباہ کرسکتے ہیں یا پھر انہیں بلیک میل بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہم ان سے ڈیل بھی کرسکتے ہیں۔ اس طرح سے ہم اپنی مرضی کی اہم نشستوں پہ اپنے امیدواروں کو جتوا سکتے ہیں اور پھر آگے جاکر بھی یہ چیز بہت فائدہ مند ثابت ہوسکتی ہے۔"

اجمل خان، بہت توجہ سے اس کی بات سن رہے تھے۔

"تم کیا کہتے ہو؟" انہوں نے مجتبیٰ سے پوچھا۔

ان کے یوں پوچھنے پہ مجتبیٰ نے مطمئن ہوکر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"میڈیا میں ایکسپوز کردیں۔" پھر بڑے آرام سے جواب دیا۔

"ووٹ بینک متاثر نہیں ہوگا ہمارا؟"

"ہمارا کیوں ووٹ بینک متاثر ہوگا؟ بلکہ اس سے تو ان کے ووٹ بھی ٹوٹ کر ہماری طرف آسکتے ہیں۔

محترمہ کی گوہر افشانیوں کے باوجود ہم نے میڈیا میں کبھی کوئی رسپانس نہیں دیا۔ یہ بات بھی ہمارے حق میں جائے گی۔"

"ایک پلس پوائنٹ!" سردار اجمل خان ایک دفعہ پھر سے سوچ میں پڑے تھے۔ وہ دوسرے سیاسی اکابرین سے بھی بات کرنا چاہتے تھے، مگر آخری فیصلہ تو ان کا ہی ہونا تھا۔

"ٹھیک ہے مجتبیٰ! ہم اسے میڈیا کے سامنے پیش کریں گے۔"

اور پھر فیصلہ ہوگیا تھا۔ باقی پارٹی ممبران کو بعد میں بھی اعتماد میں لیا جاسکتا تھا۔ اتنے عرصے سے وہ اور اس کے پارٹی ممبران خاموش تھے۔ اب ان کا بھی حق بنتا تھا اپنی سیاست کو چمکانے کا۔۔۔

☼ ☼ ☼

"تم نے اپنی مما کو بتا دیا اپنے فیصلے کے بارے میں؟" افشین نے پہلے چونک کر حیدر کو اور پھر زر کو دیکھا تھا۔ وہ سب اس وقت کھانا کھا رہے تھے۔ زر نے بے اختیار ملامتی نظروں سے ڈیڈی کو دیکھا تھا۔ وہ اس وقت کوئی ہنگامہ نہیں چاہتی تھی۔

"کیسا فیصلہ؟" افشین کھانے سے ہاتھ روک چکی تھیں۔

زر کے لیے بھی وہ نوالہ حلق سے اتارنا مشکل ہوگیا تھا اور حیدر صاحب۔۔۔ وہ ایک بات کہہ کر پھر سے کھانا کھانے میں مصروف ہوگئے تھے۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے کسی چنگاری کو ہوا دے دی جائے۔

"زر۔۔۔ میں پوچھ سکتی ہو کہ اب آپ کیا کرنے والی ہیں۔" کھانے کی پلیٹ پرے کھسکا کر وہ طنزیہ لہجے میں بولی تھیں۔

"میں نے پالیٹکس چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" ایک گہرا سانس بھر کر اس نے کہہ ہی دیا تھا۔

"واٹ؟" انہیں سخت شاک لگا تھا۔

"جی!" وہ سر اور نظریں جھکائے مضبوطی سے بولی۔

افشین چند لمحے تک تو کچھ بول ہی نہیں سکیں۔

"زر! پارٹی تمہیں ٹکٹ دینے والی ہے۔" انہوں نے جیسے اسے لالچ دیا تھا۔

"مما! میں۔۔۔ میں نہیں کرسکتی یہ۔۔۔ میرے بجائے وہ آپ کو ٹکٹ الاٹ کردیں۔"

"بچوں کی سی بات مت کرو۔ مذاق نہیں ہے یہ۔ تمہیں الیکشن لڑنا ہے ہر حال میں۔۔۔ اتنی محنت کی۔۔۔ اتنا پیسہ لگایا اس لیے کہ آخر میں تم یوں سب کچھ برباد کردو۔ میں تمہیں یہ سب نہیں کرنے دوں گی۔"

"آپ مجھے دھمکی دے رہی ہیں مما؟" زر حیران

ہوتے ہوئے بولی تھی۔

"ہاں! دے رہی ہوں۔ میں تمہیں وارن کر رہی ہوں زر! میں اس طرح تمہیں سب کچھ تباہ نہیں کرنے دوں گی۔"

انہوں نے اب کھڑے ہو کر انگلی کے اشارے سے تنبیہا" کہا۔

"آپ کی ان دھمکیوں سے یا سخت رویے سے میں اپنا فیصلہ نہیں بدلنے والی۔" وہ بھی جوابا" کھڑے ہو کر ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

"میں دیکھتی ہوں، تم ایسا کیسے کرتی ہو؟" طیش میں آکر افشین نے ٹیبل پر پڑا گلاس ہاتھ مار کر گرا دیا۔

زر نے زمین پہ پڑے ٹوٹے گلاس اور پھر افشین کو دیکھا۔ افیشن بھی مشتعل ہو کر اسے دیکھ رہی تھیں۔

"کھانا بہت مزے کا تھا آج!"

اچانک ان دونوں نے حیدر کی آوز سنی تھی۔ وہ اٹھے اور جانے کے لیے مڑے۔ اس سارے تماشے میں انہوں نے بہت سکون سے اور ڈٹ کر کھانا کھایا تھا۔

وہ دونوں انہیں حیرت سے جاتا دیکھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اسلام آباد واپس آچکا تھا۔ آتے ہی اسے عدالت کی طرف سے سمن ملا تھا۔ کورٹ میں زر اور مسز افشین کی طرف سے کیا جانے والا مقدمے کی سماعت تھی۔

اس نے ایک گہرا سانس بھر کر اس نوٹس کو ڈسٹ بن میں پھینکا۔

اور پھر بڑی طنزیہ مسکراہٹ اس لبوں پہ آگئی۔

۔مجتبیٰ کو پریس کانفرنس کرنے سے پہلے زر کی گاری جو کہ حملے میں متاثر ہوئی تھی اس کی چند تصاویر چاہیے تھیں جس کا انتظام

بہر حال ذکا نے کر دیا تھا۔ اور اس پریس کانفرنس سے پہلے وہ ایک دفعہ حیدر صاحب سے خود ملنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو خبر ہونے سے پہلے انہیں خبر ہو۔

وہ اس ملاقات کو خفیہ رکھنا چاہتا تھا۔ سو وہ اس کے گھر آرہے تھے۔ مگر حیدر صاحب کو اس وقت حیرت ہوئی۔ جب اس نے انہیں گھر آنے سے منع کرتے ہوئے ایک اپارٹمنٹ میں بلایا تھا۔ وہ سمجھ نہیں سکے کہ مجتبیٰ نے انہیں گھر آنے سے کیوں منع کیا تھا۔ وہ اپنے مقررہ وقت پہ وہاں موجود تھے۔

"تمہیں نہیں لگتا مجتبیٰ! اس طرح خاموش رہ کر تم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔"

رسمی باتوں کے بعد حیدر صاحب نے سوال کیا۔ وہ ان کے اس سوال پہ چپ ہو گیا۔ اس وقت حیدر کو وہ معمول سے زیادہ سنجیدہ محسوس ہوا تھا۔

"انسان بول کر اپنی بات سمجھا سکتا ہے۔ بیٹھ کر معاملات، مسئلے سلجھائے جاسکتے ہیں۔ تب... جب دوسرا فریق آپ کی بات سننے اور سمجھنے کے موڈ میں ہو۔ جب وہ پہلے ہی یقین کر کے بیٹھی ہے کہ میں غلط ہوں تو پھر کچھ بھی کہنا فضول ہے۔ انسان آنکھوں سے دیکھتا اور دماغ سے سمجھتا ہے اور فی الوقت اس نے یہ دونوں چیزیں بند کر رکھی ہیں۔" وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ سو وہ چپ رہے۔

اور راکھ کردیتی ہے مگر وہ...

"وہ تمہارے خلاف پولیس کو بیان دے چکی ہے۔ مقدمے کی سماعت شروع ہونے والی ہے۔ میں جانتا ہوں۔ تم نے یہ سب نہیں کروایا، مگر پھر بھی تمہیں زر کو دھمکی نہیں دینا چاہیے تھی۔" اس لمبی خاموشی کو حیدر نے توڑا تھا۔

"میں جانتا ہوں یہ غلط تھا مگر میں نہیں جانتا تھا کہ اسے یوں ڈرانا میرے اتنے حق میں جائے گا۔" سنجیدگی سے بات کرتے ہوئے وہ حیدر کو دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔

حیدر کو اس کا مسکرانا سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ سائیڈ ٹیبل پہ پڑا لیپ ٹاپ اٹھا کر آن کرنے لگا۔ پھر

لیپ ٹاپ کا رخ حیدر صاحب کی طرف موڑا۔

ٹیپ چلنا شروع ہو چکی تھی۔

جیسے جیسے وہ سنتے جارہے تھے، حیدر صاحب کے پیروں کے نیچے سے زمین کھسکتی جارہی تھی۔

وہ اس ٹیپ میں بولنے والی آواز سے بہت اچھی طرح سے واقف تھے۔ انہیں کوئی شبہ... کوئی شک نہیں تھا کہ وہ کسی اور کی آواز یا پھر کسی ٹیکنالوجی کا کمال بھی ہو سکتا تھا۔

حیدر صاحب نے عینک اتار کر سر جھکا لیا تھا۔

وہ کیا کہتے، کیا بولتے۔ انہیں تو اس قابل چھوڑا ہی نہیں گیا تھا کہ وہ کچھ کہہ سکتے۔

"کیا تم اسے اپنے تک محدود نہیں رکھ سکتے؟" مجتبیٰ کی بات تیزی سے کاٹ کر انہوں نے کہا۔

"اب یہ ممکن نہیں ہے۔ تمام انتظامات ہو چکے ہیں۔ آدھے گھنٹے بعد تمام چینلز اس پریس کانفرنس کو نشر کر رہے ہوں گے۔ آپ کو اندازہ ہے۔ اس میڈیا وار کا جو میرے اور میرے خاندان کے خلاف شروع کی گئی تھی۔ میں نے کس طرح سے زر کو جوابی حملے سے بچایا ہے۔ یہ میں ہی جانتا ہوں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مجھ پر پریشر نہیں ہوگا؟ اس طرح سے چپ رہنا، کیا آسان تھا؟ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ چیز آپ کی فیملی کو بری طرح سے ہٹ کرے گی مگر حیدر صاحب! میں اسے میڈیا میں آنے سے روک بھی لوں تو بابا جان ایسا نہیں ہونے دیں گے۔"

حیدر بہت خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"تمہارے لیے یہ سب بہت آسان ہوتا اور یقینا" تم اسے کبھی بھی میڈیا میں اس طرح پیش نہ کرتے۔ اگر معاملہ زر کا ہوتا۔ زر کی ماں کا نہیں۔"

اک وقفے کے بعد حیدر تلخی سے بولے تھے۔ وہ ٹھیک کہہ رہے تھے۔ وہ جانتا تھا۔ بے ساختہ اس نے گہری سانس بھری تھی۔ پھر اس نے سائیڈ ٹیبل پہ پڑی سی ڈی اٹھائی تھی۔

"یہ میری طرف سے زر کو دے دیجیے گا تاکہ وہ جان سکے۔ اسے معلوم ہو سکے کہ سچ کیا تھا؟ کون کس کا... کتنا سگا تھا؟ اور کس نے... کس کو استعمال کیا۔"

حیدر صاحب نے شکستگی سے اس کے ہاتھ سے سی ڈی پکڑی۔

"معذرت خواہ ہوں کہ آپ کے لیے کچھ نہ کر سکا۔"

حیدر کے اٹھنے پہ وہ دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ کر بولا تھا۔ انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر وہ وہاں سے چلے گئے۔

☼ ☼ ☼

کتنی دیر وہ خالی نظروں سے اپنے باپ کو دیکھتی رہی تھی۔ وہ ہی اسٹڈی تھی اور اسی طرح سے وہ اپنے باپ کے سامنے کرسی پہ بیٹھی تھی۔ بات تھی ہی اتنی ناقابل یقین۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اپنے باپ کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روئے۔

بے ساختہ وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اس اٹھنے کی کوشش میں وہ لڑکھڑائی تھی۔

"ہنی!" اس کے باپ کے ہاتھوں نے یک دم اسے تھاما۔ اسے اور رونا آیا۔ وہ اور پچھتاوے کا شکار ہوئی۔

"کیا چیز ہوتے ہیں ماں، باپ... نہیں! ماں نہیں صرف باپ..." رک کر اس نے تصحیح کی اور اپنے باپ کو دیکھا۔

وہ مہربان چہرہ... حیدر نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس کے باپ کے جسم سے اس کے بدن میں منتقل ہونے والی حرارت... اس کے پورے جسم میں دوڑتی رہی اور یہ سوال کرتی رہی۔

کیا میں نے تمہیں آگاہ نہیں کیا تھا؟

اور وہ چاہنے کے باوجود اس فسوں سے آزاد نہیں ہو سکی تھی۔

☼ ☼ ☼

ساری رات وہ سو نہیں پائی تھی۔ سالوں میں دونوں

ہاتھ پھنسائے وہ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر کارپٹ پہ بیٹھی رہی تھی۔ ساری رات ماؤف ہوئے ذہن کے ساتھ اس نے وہیں بیٹھے ہوئے گزاری تھی۔ صبح ہو چکی تھی۔ سورج کی روشنی نے جیسے ہر چیز کو واضح کر دیا تھا۔ ماسوائے اک اس کی ذات کے۔۔۔ وہ اٹھی اور پردے کھینچ کر روشنی کو اندر آنے دیا۔

اُسے یاد تھا کہ آج مجتبیٰ پریس کانفرنس کرنے والا تھا۔ سو وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔

اس نے افیشن کو آج خلاف معمول جاگا ہوا پایا تھا۔ یقیناً" وہ بھی مجتبیٰ کی پریس کانفرنس کے انتظار میں تھیں اور حیدر۔۔۔

وہ بھی آفس نہیں گئے تھے۔

وہ خاموشی سے عین ان کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی۔ بیٹھتے ہوئے اس نے ایک نظر حیدر کو دیکھا تھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

اور افیشن۔۔۔ ان کی نظریں مسلسل پلازما اسکرین پہ تھیں۔

اس گھر میں تین نفوس تھے۔ دو پہ قیامت ٹوٹ چکی تھی اور تیسرے پہ ٹوٹنے والی تھی۔

سخاوت کے پریس کانفرنس شروع کرنے سے پہلے نیوز کاسٹر نے اطلاع دے دی تھی کہ چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر مجتبیٰ خان یہ پریس کانفرنس نہیں کر سکے گا۔

سخاوت خان کیمرے کی جانب متوجہ ہوا تھا اور اس نے بولنا شروع کیا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم!"

جیسا کہ آپ سب لوگ اس میڈیا وار سے آگاہ ہیں، جو کہ سردار اجمل خان، ان کی پارٹی اور ان کے خاندان کے خلاف شروع کی گئی ہے اور آپ سب لوگ سردار صاحب کی خاندانی نجابت و شرافت سے بھی بہت اچھی طرح سے آگاہ ہیں۔ یہ ان کی خاندانی شرافت ہی تھی کہ اس قدر پروپیگنڈے کے باوجود ان کے یا ہماری پارٹی کے کسی ممبر کے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکلا۔" سخاوت کا لہجہ ذرا سا پرجوش ہوا تھا۔

"اس موقع پر جب سردار صاحب اور خان صاحب پہ کیچڑ اچھالا جا رہا تھا، سردار صاحب نے ایک پختون ہونے کا ثبوت دیا اور پختون روایات کے مطابق تاریخی جملے کہے۔"

"محترمہ زر صاحبہ، نیازی خاندان کی بہو ہیں اور پختون بہو، بیٹیوں سے مقابلہ نہیں کیا کرتے۔ میرے قائد مجتبیٰ خان کو آوارہ، عیاش پسند کہا گیا۔ ان کی دوسری شادی کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ حتیٰ کہ یہاں تک کہا گیا کہ زر صاحبہ پہ قاتلانہ حملہ بھی مجتبیٰ خان کی سازش تھی۔"

اس موقع پر سخاوت کا لہجہ ذرا گلوگیر ہوا اور اس نے رک کر پانی پیا۔

"اس سے پہلے کہ میں وہ ثبوت پیش کروں، جس سے ہماری بے گناہی ثابت ہوتی ہے۔ میں آپ لوگوں کے سامنے چند سوال رکھنا چاہتا ہوں۔۔۔

سب سے پہلی بات۔۔۔ زر صاحبہ پہ قاتلانہ حملہ ہوا۔ الزام عائد کیا گیا۔ مجتبیٰ خان پہ اور وجہ بتائی گئی ان دونوں کی ذاتی چپقلش۔۔۔ اس ضمن میں مخالف پارٹی کی طرف سے ثبوت بھی دیے کہ مجتبیٰ خان نے زر صاحبہ کو کڈنیپ کر کے تشدد کیا اور انہیں دبئی جانے سے منع کیا اور جب زر صاحبہ نے ان کی بات نہیں مانی تو مجتبیٰ خان صاحب نے ان پر قاتلانہ حملہ کروا دیا۔

اگر ہم زمینی حقائق کی بات کریں تو بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ حملہ مجتبیٰ خان نے کروایا تھا، تو مجھے یہ بتایا جائے اس حملہ کروانے کا مجتبیٰ خان کو کتنا اور کہاں کہاں فائدہ ہوا؟"

کیا ان کے ووٹ بینک میں اضافہ ہوا؟

یا ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا یا پھر مجموعی طور پر پارٹی کو کوئی فائدہ ہوا؟ 20 مارچ کے گیلپ سروے کے مطابق اس واقعہ کے بعد مجتبیٰ خان اور ان کی پارٹی کی مقبولیت میں واضح کمی آئی تھی۔ آپ دیکھ سکتے ہیں۔" سخاوت نے پیپرز دکھائے۔ کیمروں نے اس منظر کو قریب سے دکھایا۔

افیشن صاحبہ کے چہرے پہ ابھی تک بے فکری تھی۔ مگر ان کی انگلیاں مسلسل فون پہ حرکت کرتے ہوئے ٹیکسٹ ٹائپ کرنے لگی تھیں یقینی کہ رابطوں کا آغاز۔۔۔

"تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ مجتبیٰ خان کو یا ان کی پارٹی کو اس حملے کے نتیجے میں سراسر نقصان ہی ہوا ہے۔

اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمایئے۔ اس واقعہ کے بعد سب سے زیادہ فائدہ کسے ہوا؟" ہمدردی کس کے حصے میں آئی اور نفرت کا حق دار کون بنا؟

20 مارچ کا یہ گیلپ سروے بھی دیکھ سکتے ہیں۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ افیشن صاحبہ کی مقبولیت میں اس واقعے کے بعد کتنا اضافہ ہوا۔"

ایک دفعہ پھر ایک پیپر قریب سے دکھایا گیا۔

سخاوت کے اشارہ کرنے پر ذکا نے لیپ ٹاپ آن کیا۔ کیمروں نے ان تصاویر کو قریب سے دکھانا شروع کیا۔ پس منظر میں سخاوت خان کی آواز تھی جو کہہ رہا تھا۔

"یہ جو تصاویر آپ دیکھ رہے ہیں یہ محترمہ زر صاحبہ کی اس گاڑی کی تصاویر ہیں جو کہ حملے میں متاثر ہوئی تھی۔ آپ دیکھ سکتے ہیں۔ اس گاڑی پہ جتنے بھی فائر ہوئے، وہ سب گاڑی کے نچلے حصے پہ لگے ماسوائے اس ایک فائر کے، جو کہ فرنٹ سیٹ کی طرف کا شیشہ توڑتے ہوئے ڈرائیور کو لگا اور اس کی ہلاکت کا باعث بنا۔"

ساتھ ہی تصاویر کے ان حصوں کو کلوز کیا جا رہا تھا جہاں پر فائر کیے گئے تھے۔

"اور اب آپ کے سامنے اس گاڑی کی تصاویر ہیں جو کہ گارڈز کی گاڑی تھی۔ آپ دیکھ سکتے ہیں اس گاڑی پہ کیے گئے فائرز کا کوئی ایک مخصوص ہٹ پوائنٹ نہیں ہے۔

اس حملے میں جس میں ان کا ڈرائیور مارا جاتا ہے گارڈز زخمی ہوتے ہیں اور انہیں صرف چند خراشیں آتی ہیں؟! اس ملک میں جب کسی نامور شخصیت کو مارنے کا پلان کیا جاتا ہے تو پھر اسے مار کر ہی دم لیا جاتا ہے تو پھر زر صاحبہ کا اس وقت زندہ سلامت ہونا ایک سوالیہ نشان نہیں ہے؟"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے خان صاحب کہ مجتبیٰ صاحب زر صاحبہ کو مروانا نہیں بس ڈرانا یا دھمکانا چاہتے ہوں؟ اور یہ بھی تو اطلاعات ہیں کہ سردار صاحب اس شادی کو ختم کروانے چاہتے تھے سو۔۔۔؟" ایک صحافی نے یک دم سوال داغا تھا۔

افشین ملک صحافی کے اس سوال پر بے ساختہ مسکرائی تھیں۔

افشین کا سیل فون بھی اب مسلسل بج رہا تھا اور وہ باپ بیٹی۔۔۔ وہ اپنے کنٹریکٹ کے تحت پابند تھے۔

صحافی کے اس سوال پہ سخاوت کے چہرے پہ برہمی کے تاثرات نظر آئے تھے، مگر جب وہ بولا تو اس کا لہجہ ٹھنڈا تھا۔

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔۔۔ مگر اس کو آپ کیا کہیں گے؟"

اتنا کہہ کر اس نے پھر ذکا کو اشارہ کیا تھا۔

افشین کال چھوڑ کر بے ساختہ اسکرین کی طرف متوجہ ہوئیں۔

ذکا نے چند لمحوں بعد لیپ ٹاپ کا رخ کیمروں اور صحافی خواتین و حضرات کی طرف موڑا۔

آڈیو چلنا شروع ہو چکی تھی۔ تجسس کی وجہ سے خاموشی چھا گئی تھی۔ تمام ناظرین بھی متوجہ ہوئے تھے۔ پھر ایک آواز ابھری تھی۔

"الو کے پٹھے۔۔۔ بلڈی باسٹرڈ۔۔۔ وہ گولی جو ڈرائیور کو لگی میری بیٹی کو بھی لگ سکتی تھی۔ تمہیں حملہ کرنے کو کہا تھا بندہ مارنے کو نہیں۔۔۔"

"میڈم! غلطی سے ہوا سب کچھ، جان بوجھ کر نہیں کیا جی۔"

"ایک روپے کی پے منٹ بھی نہیں کروں گی اب میں تمہیں۔ دفع ہو جاؤ کہیں۔ قتل کا کیس بن گیا ہے اب

جاکر کہیں چھپ مرو۔ اور ہاں اب مجھے کال مت کرنا ورنہ میں تمہیں شوٹ کروادوں گی۔ سمجھے؟"

افشین ملک کا دل حرکت کرنا بند کرچکا تھا۔۔۔ ان کے ہاتھ سے سیل فون چھوٹ کر گر گیا تھا۔

دونوں باپ بیٹی کی نظریں افشین پہ تھیں جو آنکھیں پھاڑے اسکرین کو دیکھ رہی تھیں۔

اور میڈیا والے۔۔۔ ایک لمحے کو یوں لگا کہ جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو اور پھر یک دم اتنی آوازیں ابھری تھیں کہ کسی ایک کا سوال سمجھنا یا سننا بھی مشکل ہو گیا تھا۔

سخاوت خان اب ساتھ ساتھ صحافیوں کے سوالات کے جواب بھی دے رہا تھا۔

"آپ کے کہنے کے مطابق یہ آواز مسز افشین ملک کی ہے اور یہ حملہ خود انہوں نے اپنی بیٹی پہ کروایا تھا مگر سوال یہ بھی ابھرتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ٹیکنالوجی کا کمال ہو آواز بدلنے والے بہت سے سافٹ ویر بہرحال موجود ہیں۔" ایک صحافی نے سوال کیا تھا۔

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔" سخاوت مسکرایا۔ "مگر وائس میچنگ سافٹ ویر بھی تو موجود ہیں۔۔۔ مجھے توقع تھی ایسے سوال کی سو ہم پورے ہوم ورک کے ساتھ آئے ہیں۔"

لیپ ٹاپ پر وائس میچنگ سافٹ ویر کھل چکا تھا اور وہ سافٹ ویر یہ بتا رہا تھا کہ آڈیو والی آواز سے مسز افشین ملک کی آواز جو کہ بطور نمونہ کسی پروگرام سے لی گئی تھی ننانوے فیصد تک میچ کرتی تھی۔

وہاں ایک دفعہ پھر سے سوالات کی بوچھاڑ شروع ہو چکی تھی ایک کے بعد ایک سوال۔۔۔

طوفان آچکا تھا۔ تقریباً سب ہی نیوز چینلز پہ اسی وقت یہ خبر بریکنگ نیوز کے طور پر چلنے لگی تھی۔

مجتبیٰ اس وقت بابا جان کے ساتھ اسلام آباد کے ایک لگژری فلیٹ میں بیٹھا لطف اندوز ہو رہا تھا۔

اسی کے ساتھ مجتبیٰ خان کے سیل فونز بھی بجنا شروع ہو چکے تھے مگر ابھی وہ صرف انجوائے کرنے کے موڈ میں تھا۔

☼ ☼ ☼

افشین ملک جتنی بھی تیز طرار، ماہر، ذہین اور حاضر جواب تھیں، اس وقت حقیقتاً نظریں اٹھانے کے قابل نہیں رہی تھیں۔

ان کا دماغ فی الوقت کام کرنا چھوڑ چکا تھا۔ یہ سب اتنی رازداری اور خفیہ طریقے سے کیا گیا تھا کہ انہیں کہیں سے بھی کوئی خبر نہیں مل سکی تھی۔ چند گہرے گہرے سانس لے کر انہوں نے حیدر کو دیکھا۔

"میرے خدا۔۔۔" انہیں اپنی ریڑھ کی ہڈی میں کوئی ٹھنڈ سی اترتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور زر۔۔۔

وہ تو ان کے بالکل ساتھ بیٹھی تھی۔۔۔ وہ اتنی ہمت نہ کر سکی تھیں کہ گردن موڑ کر اسے دیکھ سکتیں دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملتے ہوئے وہ گہرے سانس لے رہی تھیں۔ اور پھر جیسے ان کے دماغ نے کام کرنا شروع کیا تھا۔

"حیدر! بلیومی۔۔۔ بلیو می یہ سب بکواس ہے۔ جھوٹ ہے صرف سازش ہے۔۔۔ میں کیسے۔۔۔"

انہیں یک دم خاموش ہونا پڑا تھا کیونکہ حیدر اپنی سیٹ چھوڑ کر ان تک آئے تھے۔

"میں تمہیں "شٹ اپ" نہیں بولوں گا کیونکہ مجھے تم سے اسی ڈھٹائی اور بے غیرتی کی توقع تھی۔"

حیدر نے اتنے سنگین لہجے میں کہا تھا کہ افشین باوجود کوشش کے کچھ کہہ نہیں سکیں۔

اور زر کہنی صوفے کے بازو پہ ٹکائے، یوں بیٹھی تھی جیسے اس سارے معاملے سے اس کا تعلق ہی نہ ہو۔ ہاں البتہ وہ اپنے آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو ضرور روک رہی تھی۔

"زر کی شادی کروانے میں سب سے بڑا انٹرسٹ تمہارا تھا کیونکہ تمہیں کچھ سیاسی فائدے نظر آرہے تھے اور آج اس سارے تماشے میں بھی وہ ہی تمہارے بلڈی بینیفٹس ہیں۔"

"حیدر پلیز! میرا یقین کریں۔۔۔"

"مجھے حیرت ہوتی ہے مجتبیٰ کے ظرف پہ۔۔۔ اس کے برداشت اور حوصلے پہ۔۔۔" حیدر ملک نے سخت طیش میں ان کی بات کاٹ کر کہا۔ اور زر اپنے آنسوؤں کو روکنے میں ناکام ہوئی تھی۔

"مگر میں مجتبیٰ جتنا اعلیٰ ظرف ہوں اور نہ ہی مجھ میں اتنی برداشت ہے۔ تم جانتی ہو نا کہ میں اپنی بیٹی سے کتنی محبت کرتا ہوں۔"

انہوں نے افشین کا کندھا پکڑ کر ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"مسز افشین ملک میں حیدر ملک بقائمی ہوش و حواش تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔"

زر یکدم صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ افشین ملک ہکا بکا رہ گئی تھیں اور حیدر۔۔۔ ان کا بس چلتا تو وہ طلاق کے الفاظ پستول کی گولی کے ساتھ ادا کرتے۔

چند لمحے وہاں اتنی خاموشی چھائی تھی کہ کیا کسی قبر میں ہوگی اور اس کے بعد۔۔۔ افشین نے شدید طیش کے عالم میں حیدر کا ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹک کر ہٹایا۔ اور پھر حسب عادت ان کے منہ سے گالیوں کا طوفان برآمد ہوا تھا۔

زر انہیں آنکھیں پھاڑے، ششدر ہو کر دیکھ رہی تھی۔

"ہاں کراویا ہے میں نے اپنی بیٹی پہ حملہ، کر لو جو کر سکتے ہو۔ تم جانتے نہیں ہو حیدر ملک کہ افشین ملک کون ہے اور کیا کر سکتی ہے۔ تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" انگلی اٹھا کر وہ شدید اشتعال میں بول رہی تھیں۔

"تم یہاں سے دفع ہو جاؤ، ورنہ میں دھکے دے کر نکال دوں گا۔" جواباً حیدر نے بھی اتنے ہی غصے سے اور اس سے بھی زیادہ اونچی آواز میں کہا تھا۔

اور زر ششدر۔۔۔ ہکا بکا۔۔۔ حیرت سے ساکت آنکھیں پھاڑے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"اور پھر۔۔۔" افشین نے ٹھیک کہا تھا۔ واقعی ان کے ہاتھ بہت اوپر تک تھے اور پھر اس سے پہلے کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی ہوتی، وہ اسی رات لندن جانے والی فلائٹ پہ روانہ ہو گئی تھیں۔

اور جلد ہی لندن میں سیاسی پناہ لینے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

کل رات اسے خبر ملی تھی کہ اس کے ہاں ایک صحت مند بچی کی ولادت ہوئی تھی۔ اسلام آباد میں اس کی مصروفیات بہت بڑھ چکی تھیں لیکن وہ پہلی فلائٹ سے کوئٹہ پہنچ گیا۔

وہ کتنی دیر تک خاموشی سے اپنی گود میں لیٹی بچی کو دیکھتا رہا تھا۔ وہ بالکل زرمینے کی کاپی تھی، سرخ و سفید۔۔۔ پھر بہت آہستگی سے اس نے بچی کا ماتھا چوما تھا۔ بچی کو گود لینے سے ایک عجیب سا احساس اس کے دل میں ابھرا تھا۔

"اس کی تربیت تم بالکل ویسی کرنا زرمینے! جیسی تمہاری ماں نے تمہاری کی ہے۔" سر جھکائے بچی کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیے بولا۔ زرمینے نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا۔

"اور میری ماں نے۔۔۔ میری کیسی تربیت کی ہے خان؟" پلکیں جھپکائے بنا اس نے مجتبیٰ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس سوال پر اس نے زرمینے کو دیکھا اور پھر بچی کو آہستگی سے اس کے پہلو میں لٹا دیا۔

"تمہاری ماں نے۔۔۔ تمہاری تربیت کیسی کی ہے؟" اس نے سوال دہرایا تھا اور پھر لمحوں کی خموشی۔

"ایسی تربیت زرمینے۔۔۔ جیسی ہر عورت کی ہونی چاہیے۔ جیسی ہر ماں کو اپنی اولاد کی کرنی چاہیے۔ جس معیار پہ تم اترتی ہو زرمینے! بادشاہ کی بیٹی کو بھی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے اور حکمران وقت کی بیٹی کو بھی کمپرومائز کرنے آنے چاہئیں۔ زندگی میں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ ایسا ضرور ہوتا ہے جہاں کمپرومائز کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ تم میری بیٹی کی ایسی پرورش کرنا کہ اسے کبھی بھی، کہیں بھی ایڈجسٹ

ہونے میں پرابلم نہ ہو۔" وہ اپنی بیٹی کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"ایسے سمجھوتے کا کیا فائدہ خان! جو مجھے آپ کی محبت نہ دے سکے۔" زرمینے بے ساختہ بولی تھی۔ مجتبیٰ کو کرنٹ لگا اس کی بات سن کر۔۔۔

"زرمینے!" وہ افسوس سے بولا۔ "محبت سے بڑھ کر بھی کچھ چیزیں ہوتی ہیں۔ تم جانتی ہو تم دنیا کی واحد عورت ہو جس کی میں بہت عزت کرتا ہوں۔ اتنی قدر کرتا ہوں کہ۔۔۔"

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر بے اختیار گہرا سانس بھرا تھا۔ "اور یہ کیسے سوچ لیا تم نے کہ مجھے تم سے محبت ہی نہیں ہے۔ مجھے لگتا تھا کہ کم از کم تم وہ واحد ہستی ہو جو مجھے جانتی ہے۔ جسے مجھے کوئی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا گیا تھا۔

زرمینے ہلکا سا مسکرائی تھی شرمندہ ہوئے بغیر۔

"آپ کی دوسری شادی کے بعد اگر میں کوئی انتہائی قدم اٹھا لیتی تو مجھے یہ اختیار نہ ملتا جو آج۔۔۔ ابھی۔۔۔ اس وقت ملا ہے۔ اور مجتبیٰ خان یہ میرا کمپرومائز نہیں تھا یہ میرا صبر تھا۔ اور صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہوتا ہے۔" اس نے بیٹی کو گود میں اٹھایا۔

"اور میں اپنی بیٹی کو صبر کرنا سکھاؤں گی۔ میں اسے سکھاؤں گی کہ اللہ کا ساتھ کیسے حاصل ہوتا ہے۔"

مجتبیٰ خان۔۔۔ بس اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

چاند کی روشنی میں عین لان کے وسط میں بیٹھا وہ وجود بہت نمایاں ہو رہا تھا۔ اس کے کندھوں پہ موجود شال کندھوں سے ڈھلک کر پہلو میں گری ہوئی تھی۔ ہاتھ میں موجود ماؤتھ آرگن سے ماحول کا سکوت ٹوٹ کر ارتعاش میں بدل رہا تھا اور ارتعاش دھن کی صورت سحر طاری کر رہا تھا۔

زرمینے نے مدھم سی دھن سنی تھی اور پھر کھڑکی کے پردہ ہٹا کر باہر دیکھا تھا۔ وہ اب صاف طور پر اس دھن کو سن سکتی تھی۔ ہزار بار کی سنی ہوئی غزل تھی مگر اب کہ وہ عجیب سے انداز میں دل پہ اثر کر رہی تھی۔

غزل میں اثر تھا یا بجانے والے کے انداز میں سوز۔ زرمینے سمجھ نہیں سکی تھی۔

دشت تنہائی میں
اے جان جہاں لرزاں ہے
تیری آواز کے سائے
تیرے ہونٹوں کے سراب

زرمینے نے ہونٹ بھینچ کر اس وجود کو دیکھا۔ وہ کس قدر تکلیف میں تھا۔ وہ اندازہ کر سکتی تھی۔

زرمینے نے پردے کھینچ کر برابر کیے پھر وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

"خان!"

زرمینے نے پیچھے سے آکر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور ماحول کا ارتعاش پھر سے یک دم سکوت میں بدل گیا۔

"خان! زخم ناسور بن چکا ہو تو درد سہنے کا فائدہ؟ آپ جانتے ہیں کہ جو زخم ناسور بن جائے۔۔۔ اس کا علاج کیسے کیا جاتا ہے۔" ٹھہرے ہوئے انداز میں وہ بولی۔

"یہ میرے بس میں نہیں ہے۔ تمہارا صبر۔ زرمینے! تمہارا صبر میری محبت کو کھا گیا۔" ایک لمحہ توقف کے بعد وہ بڑے دکھ سے بولا۔

"خان!" زرمینے کو شدید رنج پہنچا۔ وہ گھوم کر اس کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی۔ "آپ کو لگتا ہے کہ میں نے برا چاہا آپ کا؟ بددعا دی آپ کو۔۔۔ آپ کو لگتا ہے کہ میں ایسا کر سکتی ہوں؟" وہ اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھے انتہائی غم سے بولی تھی۔

"میری بددعا تب لگتی۔ جب آپ نے مجھ سے بدسلوکی کی ہوتی، میرا حق مارا ہوتا۔"

مجتبیٰ نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور اسے ماننا پڑا کہ

دنیا کی وہ واحد عورت تھی جو اس کا کبھی بھی، کسی بھی حالت میں برا نہیں چاہ سکتی تھی۔ بددعا تو دور کی بات تھی۔

"ٹھیک کہا تم نے۔۔۔ مگر کبھی کبھی دوسروں کی غلطیوں کی سزا ہمیں بھگتنا پڑتی ہے۔"

وہ دور چاند کو دیکھ کر بات کر رہا تھا اور زرمینے سر اٹھا کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"خان!" زرمینے نے اسے مدھم آواز میں پکارا۔

"جاؤ زرمینے! جا کر سو جاؤ۔" تھکی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔

ایک گہرا سانس بھر کر زرمینے وہاں سے اٹھ گئی۔ جاتے جاتے یک دم اس کے قدموں کو کسی چیز نے جکڑا۔

وہ درد میں ڈوبی دھن
ڈھل گیا ہجر کا دن۔۔۔
آ بھی گئی
وصل کی رات۔۔۔

☼ ☼ ☼

اس کی آنکھوں کے نیچے کی جلد کا رنگ باقی جلد سے گہرا ہونے لگا تھا۔ بالوں کی ملائمت ختم ہو گئی تھی۔ آئی بروز بے ترتیب ہو چکے تھے۔ اسکن خراب ہونے لگی تھی۔

ایک ہی سوال کے دائرے میں گھومتے ہوئے۔۔۔ کیا ساری غلطی میری تھی۔

کیا میں اتنی غلط تھی؟

وہ مان نہیں رہی تھی کہ جو کچھ اس نے کیا وہ محض چند غلط فہمیوں کی بنا پہ تھا۔

وہ ہی ضدی طبیعت اور وہ ہی جذباتی پن۔۔۔ اور پھر جب یہ ہی سوال حیدر سے اس نے کیا تھا تو وہ کتنی ہی دیر تک اس کی شکل دیکھتے رہے تھے۔

"ہنی! زندگی میں بہت ساری ایسی حقیقتیں ہوتی ہیں جنہیں ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ ہاں! تم غلط تھیں اور اتنی غلط تھیں کہ کوئی اور مرد ہوتا تو اب تک تمہیں چھوڑ چکا ہوتا۔" گو کہ ان کا انداز تسلی بھرا تھا۔ مگر زر کو جیسے کرنٹ لگا تھا اور وہ بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"نہیں ڈیڈی! کچھ غلطیاں مجھ سے ضرور سرزد ہوئیں لیکن وہ میرے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ اس نے مجھے دھوکا دیا۔ ان فیکٹ اس نے مجھے کبھی بیوی کا درجہ ہی نہیں دیا۔"

"ہنی!" حیدر ملک نے اس کو دونوں کندھوں سے تھام کر بٹھانا چاہا۔

"نہیں ڈیڈی! میں ثابت کروں گی کہ میں غلط نہیں ہوں۔ میں اپنا بلڈ ٹیسٹ کرواؤں گی۔ پتا چل جائے گا کہ میرے بلڈ میں کسی پلز کے اثرات ہیں یا نہیں۔ آپ دیکھنا پھر۔۔۔ میں غلط نہیں ہوں۔ اس نے ان کے ہاتھوں کو کندھوں سے جھٹکا اور بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

رپورٹ کا لفافہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ رپورٹ دیکھنے سے پہلے صرف ایک لمحے کو اس نے سوچا تھا کہ اگر رزلٹ پوزیٹو نہ ہوا تو۔۔۔ اور اس کا دل بے اختیار ڈوبا تھا۔

اور پھر۔۔۔ ہمیشہ ویسا ہی نہیں ہوتا جیسا انسان اپنے ذہن میں سوچ کر بیٹھا ہوتا ہے۔

لفظ Negative نے رپورٹ سے باہر آکر اس کے پچھتاوؤں میں اضافہ کر دیا تھا۔ اسے سچی محبت ملی لیکن اس نے خود اسے کھو دیا۔ اپنا گھر برباد کر لیا۔ اس کے دکھ کی انتہا نہیں تھی۔ اس کے پچھتاوؤں کی بھی حد نہیں تھی۔

وہ رپورٹ ایسا تھپڑ تھا جو اس نے خود اپنے منہ پر مارا تھا۔

وہاں بیٹھی وہ عورت۔۔۔ عورت نہیں رہی تھی۔ راکھ کا ڈھیر بن چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ روتی نہیں تھی۔ چیختی چلاتی بھی نہیں تھی۔ وہ بس خاموش ہوچکی تھی۔ پچھتاوے انسان کا وہی حال کرتے ہیں جو اس وقت زر مجتبیٰ کا ہورہا تھا۔

پچھتاوا یہ نہیں تھا کہ اس نے کتنا غلط کیا۔ پچھتاوا یہ تھا کہ باوجود اس کے غلط کرنے کے' مجتبیٰ نے کیا' کیا تھا۔

یہ کون سا مقام تھا محبت کا۔

"زر! کل تمہارا سیشن تھا سائیکاٹرسٹ کے ساتھ۔ تم گئی کیوں نہیں بیٹا؟" حیدر ملک نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تھا۔ ان کے سوال کرنے پر بے اختیار اس نے گہرا سانس بھرا تھا۔ سلیپنگ پلز' ٹرینکولائزرز' سائیکاٹرسٹ کے سیشنز' یہ سب چیزیں یکے بعد دیگرے اس پر اثر کرنا چھوڑتی چلی گئی تھیں۔

حیدر چند لمحے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے جواب کا انتظار کرتے رہے اور پھر مایوس ہو کر بہت دل گرفتی سے بولے تھے۔ "تم ابھی بھی اتنی ہی ضدی ہو۔"

"بات ضد کی نہیں ہے ڈیڈی جو مرض مجھے لاحق ہے' اس کا علاج نہ ڈاکٹر کے پاس ہے اور نہ کسی دوسرے شخص کے پاس۔" اس نے بہت مدھم آواز میں کہا۔

"اور جس شخص کے پاس ہے۔ اس کا سامنا کرنے اور آنکھیں ملانے کی ہمت مجھ میں نہیں ہے۔"

یہ بات وہ کہہ نہیں سکی تھی۔ صرف سوچ سکی تھی۔

یک دم حیدر نے مجتبیٰ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

انہوں نے جیب میں سے اپنے سیل فونز نکالے تھے اور پھر اپنا پرسنل سیل لے کر وہ اندر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تھے۔ جبکہ ان کا دوسرا سیل وہیں ٹیبل پہ پڑا تھا۔

انہیں یوں اٹھتا دیکھ کر زر حیران ہوئی مگر بولی کچھ نہیں تھی۔

وہ شاید یوں ہی کافی دیر تک ایسے ہی بیٹھے رہتی۔ اگر حیدر کا سیل فون نہ بجتا تو۔۔۔

اس نے گردن موڑ کر کسی ملازم کو دیکھنا چاہا تاکہ وہ یہ فون حیدر کو دے آئے۔ مگر وہاں۔۔۔ اس وقت اسے کوئی ملازم نظر نہیں آیا تھا۔ فون مسلسل بج رہا تھا۔ ناچار اسے خود سے اٹھنا پڑا۔

سیل فون ہاتھ میں لیے وہ حیدر کے کمرے کی طرف بڑھی۔

اس سے پہلے کہ وہ دروازہ بجاتی اندر سے آتی آواز نے اسے سن کر دیا تھا۔

وہ وہیں پتھر کی ہوگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

مجتبیٰ اسلام آباد واپس آچکا تھا۔ انتخابات ہونے والے تھے اور اس کی مصروفیات حد سے زیادہ بڑھ چکی تھیں۔

ابھی بھی وہ ذکا کے ساتھ چند اہم معاملات پر بات کر رہا تھا۔

"اب تو سب کچھ کلیئر ہوچکا مجتبیٰ! تم بھابھی کو واپس کیوں نہیں لے آتے؟"

اس سوال پہ بے اختیار اس نے سر اٹھا کر ذکا کو دیکھا تھا۔

"میں جانتا ہوں یہ پرسنل بات ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ مجھے اتنی مداخلت کی اجازت اور حق ہے۔" اس کے یوں دیکھنے پر ذکا بے اختیار بولا تھا۔

"میں نے اسے گھر آنے سے منع تھوڑی کیا ہے۔

وہ اس کا گھر ہے' جب جی چاہے آئے۔" اسے سامنے پڑے پیپرز میں اچانک ہی دلچسپی پیدا ہوئی تھی۔

"اور تمہیں لگتا ہے کہ وہ خود سے آجائیں گی؟" ذکا کا انداز تھوڑا چبھتا ہوا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ اسے کوئی جواب دیتا۔ اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔

نمبر دیکھ کر وہ حیران ہوا۔

"السلام علیکم!" اس نے فوراً فون اٹھایا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ کیسے ہو مجتبیٰ!" اسے حیدر کی آواز میں کچھ محسوس ہوا تھا۔ مگر وہ صحیح اندازہ نہیں کر پایا تھا۔

"خیریت۔۔۔ آپ نے فون کیا؟" حیدر کے سوال کے جواب کے بجائے اس نے سوال کیا۔

"نہیں! خیریت نہیں ہے مجتبیٰ!" اور مجتبیٰ بے ساختہ کرسی پہ سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔

"زر کی حالت بہت خراب ہے مجتبیٰ! کیا تم اس سے ملنے آسکتے ہو پلیز۔۔۔"

ایسا سوال تھا جس نے اسے عجیب مشکل میں پھنسا دیا تھا۔

اور اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتا اچانک اسے فون میں سے کوئی شور سا سنائی دیا تھا اور۔۔۔

☼ ☼ ☼

تیزی سے دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی تھی۔

"ڈیڈی! پلیز۔۔۔ مری نہیں ہوں میں' ابھی زندہ ہوں۔ میں اس سے نظریں ملانے کے قابل نہیں اور آپ مجھ سے ملنے کو کہہ رہے ہیں۔"

مجتبیٰ نے ایرپیس سے ابھرتی وہ نم آواز سنی تھی۔ وہ جانتا تھا۔ وہ رو رہی ہوگی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ تکلیف میں ہوگی۔

آج بھی اس کے رونے کا سوچ کر اسے ویسی ہی تکلیف ہوئی تھی۔

ہونٹ بھینچ کر اس نے سیل فون آف کر کے اسے ٹیبل پہ پھینکا تھا۔ ذکا نے حیرت اور پریشانی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ اب ماتھے پہ تیوریاں لیے ہاتھ کی بند مٹھی ہونٹوں پہ رکھے بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا۔۔۔ کس کا فون تھا؟"

"حیدر صاحب کا۔"

"کیا کہا؟"

"کہہ رہے تھے کہ ملنے آؤ۔۔۔ زر سے۔ حالت خراب ہے اس کی۔"

"تو پھر۔"

"پھر؟" وہ پھٹ پڑا تھا۔ "کیا اتنا آسان ہے یہ۔۔۔ کیا میں انسان نہیں ہوں۔ مجھے تکلیف نہیں ہوتی کیا؟ یا پھر میں درد کو محسوس کرنے سے عاری ہوں۔" وہ دونوں ہاتھ ٹیبل پہ مار کر بول رہا تھا۔

"ریلیکس یار! اب تک جو کچھ بھی ہوا اس سب کے جواب میں تمہارا ری ایکشن بہت کول تھا۔ اسی وجہ سے حیدر صاحب نے۔۔۔"

"ری ایکشن کول تھا۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ وہ کول ری ایکشن نہیں تھا ذکا۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ چیز تھی جسے "محبت کا تقاضا" کہا جاتا ہے۔"

"اور اب یہ محبت کہاں ہے؟"

"کیا محبت صرف میں نے کی تھی۔۔۔ اب جب کہ سب کچھ واضح ہوچکا ہے تو کیا اسے کچھ نہیں کرنا چاہیے۔ وہ کیا ہر چیز سے آزاد ہے؟" ذکا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ اس معاملے میں بے بس ہوں میں' مگر حقیقت یہ بھی ہے کہ جو تکلیف اس نے مجھے پہنچائی ہے اس کے لیے تو۔۔۔ ابھی میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔" اس کے اندر کا غم اور غصہ اب اس کی شکل پر صاف نظر آرہا تھا۔

"او کے!" ذکا اس کے سامنے سے پیپرز اٹھائے اور وہاں سے چلا گیا۔ جاتے جاتے اس نے مجتبیٰ کو سگریٹ سلگاتے دیکھا اور اس کا دل بے تاسف سے بھر گیا۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو۔۔۔ ہیلو مجتبیٰ۔۔۔" انہوں نے دو تین دفعہ پکارا مگر سیل فون بند ہوچکا تھا۔ انہوں نے تھک کر زر کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی مداخلت کی وجہ سے وہ اس کی طرف متوجہ ہوگئے تھے اور فون کٹ گیا تھا۔

"مجھے اس سے نہیں ملنا ڈیڈی! میں کیسے۔۔۔"

"تو کیا ساری عمر یوں ہی گزارو گی اب؟" انہوں نے

زر کی بات کاٹی تھی۔
"ساری عمر کو چھوڑیں ڈیڈی۔۔۔ عمر کے اس فیز کی بات کریں۔ یہ اگر گزر گیا تو عمر گزارنا کون سا مشکل کام ہوگا۔"
"زر۔۔۔"
"مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے ڈیڈی۔۔۔ میں کہاں سے لاؤں وہ حوصلہ جس سے میں اس کا سامنا کر پاؤں۔"
حیدر نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔ زندگی میں کبھی بھی اس نے کسی کی کوئی بات نہیں سمجھی تھی۔
وہ اب بھی ایسی تھی۔
باپ کی نظروں سے بچنے کے لیے وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کمرے تک آتے آتے اس کے آنسوؤں میں روانی آچکی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ یہاں سے دور جانا چاہتی تھی سوجا رہی تھی۔
اسلام آباد کی سڑکوں پہ سے گزرتے ہوئے کیا کچھ یاد نہیں آیا تھے اسے۔ کیا کچھ تھا جو وہ چھوڑے چلی جا رہی تھی۔ کوئی زیاں سا زیاں تھا اور پھر جیسے ہی گاڑی ایئرپورٹ کے پاس پہنچی۔
"روکو۔۔۔ گاڑی روکو۔۔۔" اسے پتا نہیں کیا ہوا تھا کہ یک دم اس نے ڈرائیور سے کہا۔
ڈرائیور نے گاڑی روک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
اور وہ اگلی سیٹ کی پشت پکڑے، نظریں جھکائے، ہونٹ بھینچے جیسے کسی مرحلے سے گزر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے گھر آتا دیکھ کر سب ملازمین اتنے حیران ہوئے تھے کہ جو جہاں پہ تھا وہیں کا ہو کر رہ گیا تھا۔
صرف سیما گل تھی جس نے اس کے ہاتھ سے بیگ لے کر پہلے اس کا ہاتھ چوما پھر آنکھوں سے لگایا تھا۔
"خوش آمدید بی بی۔۔۔ گھر آنا مبارک ہو۔"
زر نے ہونٹ بھینچ کر آنسوؤں کو گلے سے نیچے اتارا۔
یہ وہ ہی سیما گل تھی جس کے بارے میں اسے شک نہیں یقین تھا کہ وہ اسے پلز کھلاتی رہی ہوگی۔
وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔
بیڈ روم کا دروازہ کھولتے ہوئے کتنی ہی یادوں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ ہینڈل پہ اس کی گرفت مضبوط ہوئی تھی اور بے اختیار اس نے آنکھیں بند کی تھیں۔
آنکھوں کے بند ہونے سے آنسوؤں کا رستہ کھلا تھا۔

وہ اس کے سامنے بیٹھا جوتے اتار رہا تھا اور اس سے مسکرا کر کہہ رہا تھا۔
"کیا نظروں سے کھانے کا ارادہ ہے؟"
دروازہ بند کر کے اس نے دروازے سے ٹیک لگائی تھی۔
وہ اب دراز میں سے کچھ ڈھونڈ رہا تھا اور وہ اسے غصے سے دیکھ رہی تھی۔
اور زر دروازے کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی تھی۔
اب کہ وہ کہیں جا رہا تھا اور بیڈ پہ اے ٹی ایم اور کریڈٹ کارڈز نکال کر رکھ رہا تھا۔ زر کے آنسو اب سسکیوں سے بہنے لگے تھے۔
پھر اس نے کسی پراپرٹی کے پیپرز زر کو پکڑائے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی جیسے زر کو ہوش آیا تھا۔
وہ اٹھی اور تیزی سے الماری کی طرف بڑھی تھی الماری کے دونوں پٹ کھول کر اس نے دیکھا تھا۔
اس کی جیولری۔۔۔ پراپرٹی کے پیپرز۔۔۔ اے ٹی ایم، کریڈٹ کارڈز۔۔۔ سب کچھ وہیں رکھا تھا۔
تکلیف کچھ اور بڑھی تھی۔
جیولری کے ڈبوں کے ساتھ اس نے ایک اور ڈبا بھی لاکر میں پڑا دیکھا تھا۔ وہ کوئی نیا کیس تھا۔
اس نے وہ کیس کھول کر دیکھا۔
اس میں جوڑے میں لگانے والی ڈائمنڈ ہیئر پنز تھیں۔
وہ جانتی تھی کہ مجتبیٰ کو اس کے بالوں کا جوڑا کرنا اچھا لگتا تھا۔
وہ کیس ایک شاپنگ بیگ میں تھا اور اس شاپنگ

بیگ میں سے بل بھی نکلا تھا۔

بل پہ تاریخ موجود تھی اور وہ تاریخ اور شاپ کا نام پڑھ کر زر کو لگا جیسے ساتوں کے ساتوں آسمان اس کے سر پہ ٹوٹ پڑے ہو۔

وہ یہ اس کے لیے تب لایا تھا جب وہ دبئی سے واپس آیا تھا۔

مرد کی محبت خالص سونے جیسی ہوتی ہے۔ جس میں جب تک تانبے کی ملاوٹ نہ ہو کوئی زیور کوئی خوب صورت چیز بن ہی نہیں پاتی مگر مجھے وہ مرد دیا گیا وہ محبت دی گئی! جس میں کسی ضرورت کے تانبے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

آہ! کہ میرا بے صبرا پن.... میری ناشکری۔

وہ اب سر پہ ہاتھ رکھ کر رو رہی تھی۔

اور ہر وہ عورت سر پہ ہاتھ رکھ کر ہی روتی ہے جسے "صبر" کرنا نہ آتا ہو۔

☼ ☼ ☼

بارش یوں برس رہی تھی جیسے آج کے بعد برسنے کا ارادہ نہ ہو۔

سفید فراک اور چوڑی دار پاجامے میں وہ بے حد اداس اور غمگین نظر آ رہی تھی۔

کھلے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے ہوئے وہ بالکونی سے ہٹ کر کرسی پہ بیٹھ گئی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر سیما گل کی چیختی آواز سننے کی منتظر تھی۔ مگر کوئی بھی چیختی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ کسی نے اس سے نہیں کہا تھا۔

"بی بی.... خان جی....!" اور دل میں اٹھتا درد تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

اسے یاد تھا وہ دن۔ جس دن وہ گھر آئی تھی اور سیما گل نے فوراً" مجتبیٰ کو فون کیا تھا۔

"خان جی.... بی بی آئی ہیں!"

اور خان جی نے "ٹھیک ہے۔" کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

"تم سے صبر نہیں ہوا سیما گل۔" سیما گل کے مڑنے پہ زر نے اداسی سے کہا تھا۔

اور اس دن سے وہ انتظار میں تھی۔

راتوں کو سوتے ہوئے یونہی بیٹھے ہوئے اچانک اسے لگتا کہ جیسے کوئی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی ہے اور جب وہ دوڑ کر دیکھنے جاتی تو....

چوکیدار اسے دیکھ کر تاسف سے نفی میں سر ہلا دیتا۔

ابھی بھی اس برستی بارش میں اسے گمان گزرا کہ گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی ہے۔ مگر اب بھی وہ اس کا واہمہ تھا۔

وہ جانتی تھی اسے انتظار کرنا ہے۔

اب کے مقابلہ زرمینے کی خوب صورتی سے نہیں اس کے صبر سے تھا اور اسے ثابت کرنا تھا کہ وہ بدصورت عورت نہیں ہے۔

وہ جانتی تھی کہ مجتبیٰ ضرور اس تک آئے گا مگر زخموں کے مندمل ہونے میں کچھ وقت تو لگتا ہی ہے۔

آنکھوں کی نمی پھر سے بڑھنے لگی تھی۔ پھر وہ تھک کر وہاں سے اٹھ کر جانے لگی تھی کہ اسے گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔

وہ مڑی اور تیزی سے بھاگ کر بالکونی سے جھک کر دیکھا تھا۔

"میرے خدا...." سانس نے آنے سے انکار کیا تھا اور دل نے دھڑکنے سے.... سیاہ لینڈ کروزر پورچ میں کھڑی ہو چکی تھی۔ وہ ان ہی قدموں سے مڑی اور بھاگی اور سیڑھیاں اترتے ہوئے لمبا سا ہال عبور کیا مگر اس سے پہلے کہ دروازہ کھلتا۔ وہ ایک جھٹکے سے رک گئی تھی۔ یوں جھٹکے سے رکنے سے بندھے بال کھل گئے تھے۔

"کیا وہ اس کا سامنا کر سکتی ہے.... کیا وہ ایسا کر پائے گی۔"

اس کا جی چاہا کہ وہ دنیا کے کسی کونے میں جا چھپے مگر اس شخص کا سامنا نہ کرے۔

"کہاں آٹھ ماہ کا انتظار اور کہاں اب یہ حالت...."

وہ مڑنے لگی تھی مگر....

اس سے پہلے کہ وہ کوئی قدم اٹھاتی.... کچھ سوچتی یا سمجھتی اچانک دروازہ کھل گیا تھا۔

آف وائٹ کلف لگے سوٹ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

وہ آج بھی ایسا ہی تھا کہ زر بے اختیار اسے دیکھتی چلی گئی تھی اور وہ.... وہ بھی ہینڈل کو پکڑے ساکت تھا۔

اور پھر.... چند لمحوں بعد مجتبیٰ دروازہ بند کر کے اندر آیا تھا۔

زر بری طرح گھبرائی تھی۔ بے ساختہ وہ ایک قدم پیچھے ہٹی تھی اور اس نے نظریں اور سر.... دونوں جھکائے تھے۔

وہ وہیں دروازے پہ کھڑا تھا اور وہ ذرا فاصلہ پہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

اور یہ فاصلہ کس کو طے کرنا تھا؟ زر جانتی تھی یہ اب اسی کا کام تھا۔ وہ مرد تھا۔ اس نے مرد ہونے کا ثبوت دیا تھا۔

وہ اس سے محبت کرتا تھا سو وہاں موجود تھا اور زر اپنے پیروں کو زمین پر جمانے کی بھرپور کوششوں میں تھی۔

اور وہ کتنے سکون سے کھڑا تھا۔

دو قدم کا فاصلہ.... پل صراط بن گیا تھا۔

اسے ہی آگے بڑھنا تھا' سو وہ بڑھی تھی۔

ایک قدم اٹھاتی اور اسے یوں زمین پہ مضبوطی سے رکھتی جیسے ایسا نہ کیا تو گر جائے گی۔

وہ اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی اور اس کے بالکل سامنے جا کر دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھ گئی تھی۔

مجتبیٰ بھونچکا رہ گیا۔

فوراً" آگے بڑھ کر اس نے اس گرے ہوئے وجود کو اٹھایا تھا۔ کندھوں سے پکڑ کر اسے کھڑا کرتے ہوئے اس نے زر کو اپنے ساتھ لگایا تھا۔

دونوں ہاتھوں کو مٹھیوں کی شکل اس کے سینے پہ رکھے وہ کسی بچے کی طرح سمٹی ہوئی سسکیاں لے رہی تھی۔

چند لمحے اسی طرح گزرے تھے اور پھر اس نے زر کو خود سے الگ کیا۔ اس کے نم گالوں کو ہاتھوں سے خشک کیا۔

"تمہیں پتا ہے تمہارے رونے سے کتنی تکلیف ہوتی ہے مجھے؟" اسے جیسے بتایا گیا تھا۔

زر کے گال پھر سے گیلے ہونے لگے تھے اور وہ نظریں جھکائے سر جھکائے کھڑی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ یہ نظریں.... یہ سر اب کبھی اس شخص کے سامنے اٹھ نہیں سکے گا۔ گو کہ وہ آ گیا تھا گو کہ زندگی پھر سے شروع ہونے والی تھی' مگر وہ وقار.... وہ عزت' گم ہو چکی تھی۔

زر جانتی تھی کہ اسے اب بہت محنت کرنا تھی اپنی زندگی کو نارمل بنانے کے لیے ان زخموں کو مندمل کرنے کے لیے اور شاید کہ وہ اب کبھی نارمل زندگی نہ گزار سکے اور شاید کہ وہ اس خلیج جتنے فاصلے کو نہ مٹا سکے۔

اور شاید کہ وہ ایسا کر بھی لے....

کسے معلوم تھا....

مگر ایک بات طے تھی۔

اسے صبر کرنا تھا اور صبر کرنے میں

زہر کا تریاق بننے میں....

دست شفا ہونے میں....

"ابھی کچھ وقت باقی تھا...."